

1860

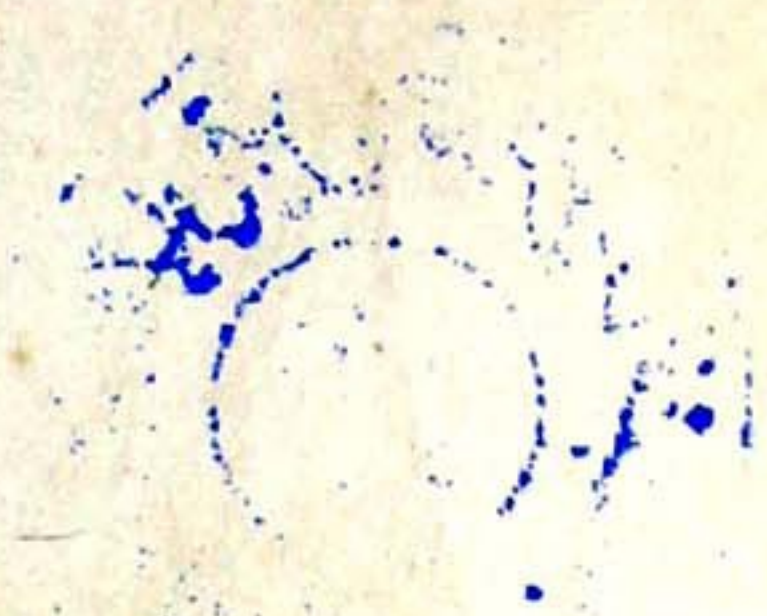


سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا  
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیائی کی "امامت" کا

# ۷۶ منتصب امامت

اسلامی سلطنت کا دستور العمل

محمد امجد علی شہید  
کراچی



وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُهَدُونَ بِأَهْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عِبِيدِينَ (انبیاء)



اُردو ترجمہ

# منصب امامت

تالیف

مُحَمَّدِ السُّنَّةِ، قَامِعُ الْبِدْعَةِ، عَالِمُ نَبِيلٍ، فَاضِلُ فِقْهِ الْمَثْبُوتِ،  
مُحَدِّثُ وَفِيقِ بِي بَدَلٍ، عَارِفُ بِاللَّهِ، عَاشِقُ رَسُولِ اللَّهِ،  
مُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، حَضْرَتُ مَوْلَانَا شَاهِ مُحَمَّدِ سَمْعِيلِ شَهِيدِ رَحْمَةِ اللَّهِ

مترجمہ

خادم علوم حکیم محمد حسین علوی، مقیم مومن پورہ، راوی روڈ لاہور

جسے

حکیم محمد احمد بن حکیم محمد حسین مترجم نے

گیلانی الیکٹریک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں ضمیر احمد خاں غوری کے اہتمام سے  
چھپوا کر مومن پورہ - راوی روڈ - لاہور سے شائع کیا

۱۹۴۹ء

قیمت غیر مجلد ۱۲ — مجلد قسم اول ۱۱ — مجلد قسم دوم ۱۰ — تعداد طبع — ۱۵۰۰

59829

پاکستان کے معمار

حضرت قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم

کے جانشین اول

امام پاکستان، قائدِ ملت، ناظمِ اعظم  
اعلیٰ حضرت الحاج خواجہ ناظم الدین مدظلہ  
کی خدمتِ اقدس میں

منجانب: مترجم

# فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	ویساچہ - از مولانا غلام مصطفیٰ	ج	۱۷	(۱) سیاست مرتبیانہ	۲۶
۲	مقصد و حیدر	۵	۱۸	(۲) سیاست امیرانہ	۲۹
			۱۹	(۳) سیاست ایمانی	۳۰
			۲۰	(۴) سیاست مدنی	۳۱
۳	حقیقت امامت فصل اول	۱	۲۱	شجرہ متعلق کمالات انبیاء علیہم السلام از مترجم فصل (۲)	۳۲
۴	ذکر کمالات انبیاء علیہم السلام	۱			
۵	اول درجات	۲	۲۲	کمالات انبیاء کے ساتھ کمالات	
۶	دوم حقیقت ولایت	۶		اولیاء اللہ کی مشابہت	۳۵
۷	سوم حقیقت بعثت	۹	۲۳	صورت اول درجات سے تشبیہ	۳۵
۸	چہارم حقیقت ہدایت	۱۱	۲۴	صورت دوم دیگر کمالات	
۹	(۱) نزول برکت	۱۳		درجات سے تشبیہ	۵۳
۱۰	(۲) عقیدت	۱۵			
۱۱	(۳) فیض صحبت	۱۶			
۱۲	(۴) خرق عادات	۲۰	۲۵	اقسام امامت	۶۰
۱۳	(۵) اظہار دعوت	۲۲		مقدمہ	
۱۴	(۱) حکمت	۲۲	۲۶	امامت حقیقیہ و امامت حکمیہ	۶۰
۱۵	(۲) کلام موعظت	۲۵	۲۷	صورت اول	۶۰
۱۶	پنجم سیاست و اس کی قسمیں	۲۶	۲۸	صورت دوم	۶۳

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۰۹	درجہ دوم سلطنت جابرہ	۲۶		فصل (۱)	
۱۱۹	قسم اول	۲۷	۶۲	اقسام امامت حقیقیہ	۲۹
۱۱۹	قسم دوم	۲۸	۶۷	صورت اول - امامت خفیہ	۳۰
۱۲۰	نکتہ اول	۲۹	۷۲	صورت دوم - امامت باطنیہ	۳۱
۱۲۱	نکتہ دوم	۵۰	۷۲	نکتہ اول	۳۲
۱۲۱	نکتہ سوم	۵۱	۷۲	نکتہ دوم	۳۳
۱۲۱	درجہ سوم سلطنت ضالہ	۵۲	۷۸	نکتہ سوم	۳۴
۱۲۴	نکتہ اول	۵۳	۷۹	صورت سوم - امامت تامہ	۳۵
۱۲۷	نکتہ دوم	۵۴	۸۲	نکتہ اول	۳۶
۱۲۷	درجہ چہارم سلطنت کفر	۵۵	۸۶	نکتہ دوم	۳۷
	خاتمہ		۸۷	نکتہ سوم	۳۸
			۹۳	نکتہ چہارم	۳۹
۱۳۱	لفظ "امام" سے مراد؟	۵۶		فصل (۲)	
۱۳۲	تشبیہ اول بفرہ صاحب دعوت	۵۷		اقسام امامت حکمیہ	۴۰
۱۳۲	(۱) بیان صلح و جنگ	۵۸	۹۲	درجہ اول سلطنت عادلہ	۴۱
۱۳۷	(۲) طریقہ نظم و نسق	۵۹	۹۹	نکتہ اول	۴۲
۱۴۱	تشبیہ ثانی - اصحاب دعوت کا حکم	۶۰	۱۰۷	نکتہ دوم	۴۳
۱۴۲	نکتہ اول	۶۱	۱۰۷	نکتہ سوم	۴۴
۱۴۵	نکتہ دوم	۶۲	۱۰۸	نکتہ چہارم	۴۵
۱۵۰	نکتہ سوم	۶۳	۱۰۸		

# دیسپاچہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

شاہ نیست کہ تخت عابجے دارد تا آنکہ شاہانہ مزاجے دارد

امامت کبریٰ کی اہمیت اہل اسلام کے ہاں ایک امر مسلم ہے مگر کتاب سنت کی روشنی میں متحقق نہ ہونے کی وجہ سے بالکل بے روح کی طرح ہر وقت اس کے بگڑنے اور درہم برہم ہونے کا خطرہ تصویر حقیقی بن کر سامنے آجاتا ہے۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں اس مقصد عظیم کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر ہمیشہ کے لئے اہل اسلام اور اسلام کے بقا کی خاطر ایک فریضہ عادلہ قرار دے دیا گیا تھا مگر اعداء اسلام کے روز افزوں غلو سے متاثر ہو کر اکثر ممالک اسلامیہ نے اس مقصد کی اہمیت کو بالکل پس انداز کر دیا۔

اس فریضہ لازمہ کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے حکیم الامت حجۃ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ کو ترتیب دیا۔ یورپ اور ایشیا کے غیر مسلم اس کتاب کے سیاسیات سے بہرہ اندوز ہوئے اور علماء اسلام نے اس کی عقل و حکم کو زاویہ نگاہ بنایا۔ مگر افسوس کہ اس پیش بہا خزانہ کو عملی زینت دینے کے لئے کوئی کامیاب تحریک معرض ظہور میں نہیں آئی۔

ولیس کل ما یتمنی المرید، کہ تجری الریاح بما لا تشنہی السنن

اہل فہم جانتے ہیں کہ جو خزانہ عامرہ غیبی ارشادات کی بنا پر جمع کیا گیا ہو کہاں تک مخفی رہے گا۔ تقاضائے وقت کے مطابق اسی قدوسی روح کی نسل سے ایک مرد روحانیت کاملہ لیکر اٹھتا ہے جس کی جامعیت مسلم ہے وہ معاً مفسر بھی ہے محدث بھی فقیہ بھی ہے اصولی بھی، مجاہد بھی ہے اور تکلم اور صوفی بھی۔ یا اس ہمہ سیاسیات شاہ ولی اللہ کا پورا ماہر نظر آتا ہے یہ وہی مقدس ہستی ہے جس کو اہل بصیرت علامہ شہید، شاہ شہید مولانا اسماعیل شہید دہلوی عالم نبیل فاضل جلیل فقید المثل رحمہ اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس مجاہد جلیل نے ایک طرف بدعت اور شرک کے قصر و غرف کو خاکستر کیا تو دوسری

طرف منصب امامت جیسے اہم فریضہ کو قائم کرنے کے لئے کتاب منصب امامت تصنیف فرما کر ثابت کر دیا کہ جب تکویناً حاکم صرف خدائے قدوس ہی ہے تو تشریحاً دنیا میں نظام امن قائم کرنے کے لئے غیر کے اصول و ضوابط کیسے مفید ہو سکتے ہیں۔

صاحب البیت ادری ما فیہ الالہ الخلق والامر

کتاب منصب امامت وحی الہی کی جامعیت کی طرف دلیل محکم اور برہان قاطع ہے اس کے مطالعہ کرنے سے ایک طرف عظمت شئون انبیاء قلوب صافیہ کو محو حیرت بنا رہی ہے تو دوسری طرف وحی الہی کے اصول و ضوابط کو ناقابل شکست میگزین قرار دے رہی ہے۔ یوں نظر آتا ہے کہ علامہ موصوف بحر توحید میں ڈوب کر محبت انبیاء کے شیریں شراب سے سرشار ہو رہے ہیں۔

حدود الہیہ کو عملاً نافذ کرنے کے لئے اٹک پارہ اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور علامہ موصوف معہ اپنے خاص رفقاء کے اللہ کی راہ میں جان دے دیتے ہیں۔ اہل اسلام کی کم نصیبی اور غلبہ اعداء کی وجہ سے یہ معاملہ ایک وقت کے لئے پھر ملتوی ہو گیا۔

الحمد للہ کہ وہ گھڑی موعود آگئی۔ مملکت پاکستان کا وجود باوجود خدائے تعالیٰ کی زمین پر بہت بڑی اسلامی سلطنت کی شکل میں رونما ہوا۔ ضرورت تھی کہ منصب امامت کو اردو کے لباس میں مزین کیا جائے۔ بہت ممکن ہے کہ ارباب حل و عقد کو ضوابط الہیہ کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہی کتاب باعث اور ذریعہ بن جائے۔

شکراً للہ کہ اس عظیم الشان خدمت کو سرانجام دینے کے لئے اخی المکرم مولانا حکیم محمد حسین صاحب نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشہ خدائے بخشندہ

جزاۃ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

اراکین حکومت و اساتین مملکت نے اگر اس ڈر شاہوار کی طرف توجہ فرمائی۔ تو صرف یہی نہیں کہ کتاب کے جواہر پاروں کی قدر ہوگی۔ بلکہ حقیقتاً اپنے فرائض سے سبکدوشی حاصل کرنے کا ایک شاہ راہ متعین کریں گے۔

العبد المذنب (مولانا مولوی) علامہ مصطفیٰ (فاضل دیوبند) مرجان۔ ضلع کسبل پور



## مقصد و حید

الحمد لله وكفى وسلام على من اتبع الهدى۔

حضرت شاہ محمد اسمعیل شہید رحمہ اللہ کی کتاب "منصب امامت" فارسی کا اردو ترجمہ بدیہ ناظرین ہے جس کی اشاعت کا مقصد و حید یہ ہے کہ فی زمانہ بعض مبتدعین نے حضرت شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان کے (جو کہ مبتدعین کے لئے شمشیر برہنہ کا حکم رکھتی ہے) بعض فقروں کو انبیاء و اولیاء کی توہین و اہانت پر مجبور کیا ہے اور شاہ صاحبؒ پر طرح طرح کے الزام عائد کئے ہیں۔ لغو ذی اللہ۔ زیر مطالعہ کتاب سے یہ بات معلوم کرانا مقصود ہے کہ جو عزت و تکریم حضرت مولانا شہیدؒ نے انبیاء و اولیاء کے لئے بتائی ہے اس کا عشر عشر بھی خود جماعت مبتدعین کے اندر موجود نہیں ہے۔ لہذا آپ بنظر انصاف اس کتاب کا مطالعہ کر کے اپنے دل سے پوچھیں کہ آپ انبیاء کرام اور بزرگان دین کی کہاں تک تکریم و تعظیم کرتے ہیں اور شاہ شہیدؒ ان کی تعظیم و اتباع کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

دوسرا مقصد اشاعت یہ ہے کہ چونکہ آج کل ہم کہہ رہے ہیں کہ ہماری سلطنت پاکستان ایک اسلامی سلطنت ہے۔ لہذا اس کتاب سے یہ اخذ کریں کہ سلطنت اسلامی کے فرماں رواؤں کے لئے خدا اور رسولؐ نے کیا طریقہ حکومت بنایا تھا مگر موجودہ حکمران کیا کر رہے ہیں۔ نیز یہ کہ اسلامی سلطنت کے باشندگان پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اور انہیں کیا کرنا چاہئے۔ نیز انبیاء کی حکومت، خلفاء راشدین کی خلافت، ائمہ دین کے مراتب، سلطان عادل اور سلطان ظالم وغیرہ عنوانات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ کتاب ہذا میں لفظ امام سے مراد صاحب دعوت ہے لیکن اس کے ضمن میں وہ دقیق و عمیق مسائل حل کئے گئے ہیں جن کی امت محمدیہ کے ہر فرد کو

ہر وقت ضرورت ہے اور اس شاہراہ کے تمام اصول و فروع کا بیان نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کتاب منصبِ امامت ایک اسلامی حکومت کے لئے دستور

اعمل کے طور پر اس وقت تصنیف ہوئی تھی جبکہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی رح

نے پاکستان کی بنیاد رکھی اور پنجاب میں ایک اسلامی حکومت بنانی چاہی۔ اس

وقت ضرورت محسوس کی گئی کہ راعی و رعایا پر نظامِ دنیوی کے دقیق مسائل عیاں

ہو جائیں۔ اسی غرض کے مد نظر حضرت شہیدؒ نے منصبِ امامت کو تصنیف فرمایا۔

امید ہے کہ اسی پاکستان کو دوبارہ عملی جامہ پہنانے والی ذمہ داریاں

اس دستورِ عمل کو ایک نعمت غیر مترقبہ تصور فرماتے ہوئے اس کتاب کی اشاعت

میں پوری دلچسپی لیں گی اور اس پر عملدرآمد کی بنا رکھ کر پاکستان کو صحیح معنوں میں

پاکستان بنانے کی سعی و کوشش میں زیادہ سے زیادہ ہمت صرف کرنیگی۔ اس

مقصد کے لئے پاکستان کے اربابِ بسنت و کشتاد کی خدمت میں یہ عرض کر دینا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کو داخل نصاب فرمایا جائے۔ تاکہ آئندہ نسلوں

میں بطور راعی کام کرنے والی ہستیاں اپنی ذمہ داری سے آگاہ ہو کر کام کریں اور

جو لوگ بطور رعایا ان کے ماتحت ہونگے وہ بھی اپنے حکمرانوں کی اطاعت و فرمانبرداری

کے فریضہ کو بجالانے کے لئے اپنے فرائض کے شاہراہ سے آگاہ ہو جائیں۔

چند تمہیدی الفاظ کے بعد میں حضرت مولانا مولوی محمد عبداللہ صاحب سابق

معلم عربی و فارسی اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ دروازہ لاہور کا شکر یہ ادا کرتا ہوں

جنہوں نے ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی اور مجھے اس کی طباعت کا حوصلہ دلایا۔

آخر میں یہ بھی عرض ہے کہ اگر اہل علم حضرات ترجمہ میں کوئی غلطی ملاحظہ فرمائیں تو

براہ کرم اس سے فدوی کو آگاہ فرما کر مرہونِ منت بنائیں۔ تاکہ آئندہ طباعت میں

اصلاح کر دی جائے۔

خاکسدا

مترجم

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي قَالَ فَمَا يَا تَيْبِكُمْ مَنِّي هُدَايَ فَلَآ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ  
يَحْزَنُونَ، الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَكْرَمِ الْخَلْقِ مُحَمَّدٍ الَّذِي قَالَ لَا يَزَالُ هَذَا الَّذِينَ  
قَاتَا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ أَوْ يَكُونَ عَلَيْهِمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَعَلَى آلِهِ  
وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ۔

حمد و صلوة کے بعد بندہ ضعیف، امیدوار رحمتِ خداوندی، احقر العباد  
محمد اسمعیل عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ اس رسالہ میں "منصبِ امامت" یا حقیقتِ امامت  
اور اس کا تفصیلی بیان مرقوم ہے۔ اس میں دو باب ہیں:-

## باب اول

### حقیقتِ امامت

## فصل (۱)

### ذکر کمالات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

اس فصل میں حضرات انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان چند  
کمالات کا ذکر ہے جو امامت کے معنوں سے متعلق ہیں۔ واضح ہو کہ امام رسول  
کا نائب ہوتا ہے اور امامتِ ظلّ رسالت۔ نائب کے احکام کو منیب کے احکام  
سے پہچانا جاسکتا ہے اور ظلّ کی حقیقت کو اصل سے جانتا چاہئے۔ لہذا انبیاء

علیہم السلام کے چند کمالات جو امامت کی حقیقت سے متعلق ہیں، اس مقام میں ان کا ذکر ضروری ہے۔

میں کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کے مقامات اور کمالات حد سے زیادہ ہیں جن کا شمار اور احاطہ مجھ جیسے اُمّی آدمی سے مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ لیکن وہ کمالات جو حقیقتِ امامت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مرجع پانچ اصول ہیں:-

اول، وجاہت۔ دوم، ولایت۔ سوم، بعثت۔ چہارم، ہدایت۔ پنجم، سیاست۔ ان پانچ کمالات کے معانی کی تحقیق بالترتیب حسب ذیل ہے:-

## اول، وجاہت

واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کو خدائے رحمن کے حضور میں تمام انسانوں کی نسبت ایک قسم کا امتیاز ثابت ہے۔ کیونکہ وہ عنایاتِ خداوندی و الجلال کے منظور نظر ہیں اور الطافِ ربّانی سے ہر وقت مسرور و خوشحال اور بجا نعماتِ الہی سے ممتاز ہیں۔ محبوبیت کے حین کے یاسمین اور مقبولیت کی انجمن کے تخت نشین ہیں۔ انس کے افلاک کے اختر اور قدس کے اطلاق کے افسر ہیں۔ مناصبِ عظیمہ کا عطیہ انہی کی ذاتِ بابرکات کو زیبا اور مہماتِ فحیمہ کا سر انجام بھی انہی کی ذات کے لئے موزوں ہے۔ کروبیوں کی محفل کے سردار اور قدوسیوں کے لشکر کے سر لشکر ہیں۔ ان کی بہت اور اولوالعزمی بند دروازوں کی کنجی اور ان کی دعا، بیشک مستجاب ہے۔ ان سے محبت رکھنے والا اللہ رب العزت کی بارگاہ کا محبوب اور ان سے بغض رکھنے والا اللہ کا معتبوب ہے۔ ان کی محبت درجات کی بلندی کا باعث اور ان کا توکل وسیلہ نجات ہے۔ ان کی پیروی باعث حصول عظیمات اور ان کا اتباع واقع بلیات ہے۔ غیبی فیوض کا منبع اور اسرارِ قدسی کے خزانے ہیں۔ ان کا وسیلہ پکڑنے والے کی ادنیٰ کوشش بدرجہ غایت مشکور اور ان کے قربانداروں کا کبیرہ گناہ بہت جلد قابلِ عفو ہے۔ اور بہت سی ریاضاتِ شاقہ ہیں

جو ان کی سنت کے خلاف چلنے والوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ آخر وہ کوہ کندن و کاہ  
بر آوردن کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اور بہت سے آسان عمل ہیں جو ان کے توسل سے  
اعلیٰ درجہ تک پہنچاتے اور بیشک دنیا و آخرت کی نجات کے ثمرہ کا ثمر ہو جاتے ہیں۔  
اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے انہی کا توسل شاہراہ ہے اور سالکان طریقت  
کے لئے ان کے اتباع سے منازل طے کرنا نہایت آسان، اور ان کے توسل کے  
سوا صرف ہرزہ گردی اور بے سرو سامانی ہے۔ پس وجاہت سے یہی مراد ہے جو  
مذکور ہوئی۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ جاہت کے تین شعبے ہیں :-

اول، محبوبیت بہ نسبت رب العالمین۔ دوم ملائکہ مقربین میں عزت۔  
سوم، نیک بندوں کے لئے وسیلہ فیض، جسے "سیادت" کے لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔  
پس وجاہت کا منصب، محبوبیت، عزت اور سیادت تینوں سے مرکب ہے جیسا کہ  
یہ منصب انبیاء کرام کے لئے ثابت ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے :-

جب فرشتوں نے کہا اے مریم، اللہ خوشخبری  
دیتا ہے تجھ کو ساتھ کلمہ کے کہ اس کا نام مسیح  
ابن مریم ہے۔ دنیا و آخرت میں وجیہ اور  
مقربوں میں سے ہے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ  
يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اَلَمْ يَسْبِقْ عَلَيْكَ  
اَبْنُ مَرْيَمَ، وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ  
وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ۔ (ال عمران)

اور فرمایا :-

اے ایمان والو! ان لوگوں کی مانند ہو جاؤ  
جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی۔ پس بری کر دیا اس کو  
اللہ نے اس سے جو وہ کہتے تھے۔ وہ تو اللہ  
کے نزدیک وجیہ تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا  
كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوسٰى فَبَرَّ اِلٰهَ اللّٰهِ  
مِمَّا قَالُوْا وَا كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهًا۔

(احزاب)

اسی طرح دوسرے مقرب بندوں کو بھی ان کے قدر کے موافق یہ جلیل القدر  
منصب ملتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے :-

لا يزال يتقرب عبدی بالنوافل حتى احبته فاذا احبته لکنتم سمعہ الذی  
 لیسع به ویبصر الذی یبصر به ویدہ الّتی یبطش بها ورجلہ الّتی یمشی بها ولان  
 سألفی لأعطینہ ولئن استعاذنی لأعیننہ۔ (میرا بندہ نوافل کے ذریعہ قرب حاصل  
 کرنے میں کمی نہیں کرتا یہاں تک کہ میں اُسے دوست بنا لیتا ہوں۔ جب وہ میرا دوست  
 بن جاتا ہے تو میں اُس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھیں بن  
 جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ چھوتتا ہے اور اس کی  
 ٹانگیں جن سے وہ چلتا ہے اور جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اُسے پورا کرتا ہوں اور جب  
 وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو پناہ دیتا ہوں۔

نیز فرمایا :-

من عادی لی ولیاً فقد بارذنی بالحرب۔ (جس نے میرے دوست سے  
 عداوت کی، اُس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کر دیا)۔  
 اور فرمایا :-

أولئك عزست کرامتهم بیدای۔ (یہی وہ لوگ ہیں جن کی بزرگی میں نے  
 اپنے ہاتھ سے قائم کی ہے)  
 بیشک مذکورہ وجاہت انبیاء اور دیگر خاصان خدا کے لئے ہے۔ اس کی دو  
 قسمیں ہیں :-

قسم اوّل، وجاہت اجنبائی۔

قسم دوم، وجاہت کسبی۔

اس کی تفصیل کو مثالاً یوں سمجھ لیجئے کہ اُمراء عالی مقام اور روسائے ذوی  
 الاحترام کو اپنے بادشاہ کے حضور میں ایک قسم کی وجاہت حاصل ہوتی ہے۔  
 لیکن اس کا حصول دو طرح سے ہوتا ہے: اوّل یہ کہ ایک شخص نے اپنے بادشاہ کی  
 پسند کے ذاتی کمال حاصل کئے، اُس کے حسب مرضی خدمت بجالایا، اور  
 بہت سے رنج آمیز اور تکلیف دہ اوامر کی بجا آوری کے اسباب اپنی جان پر

گوارا کئے اور جان و مال اور عزت و آبرو کو اس کی اطاعت میں صرف کر دیا۔ پس اُس کی لیاقت اور اطاعت کے سبب آقا کی نظر عنایت اُس پر ہو گئی اور اُس کو وجاہت کا مقام حاصل ہو گیا۔

دوم، یہ کہ کوئی عقلمند بادشاہ ارادہ کرے کہ کسی کو تربیت اور تادیب و تعلیم دے کر امارت و وزارت کے منصب پر فائز کرے۔ اسی بنا پر اُس نے اپنی رعایا میں سے ایک لڑکے کو ممتاز فرما کر نائب خاص کے نام سے ملقب کر دیا اور اُس کی بذاتِ خود تادیب و تربیت کی اور خود اُس کا ولی اور کفیل ہو کر اُس کی پرورش کی۔ اُس کے نہال تربیت کو اپنی عنایت کے زلال سے پانی دیا۔ حتیٰ کہ اپنی حمایت کے سایہ میں نشوونما کے کمال تک پہنچا دیا اور ثمراتِ مقصد کا ثمر بنایا۔ پھر اپنی دی ہوئی تعلیم کے کمالات کو اپنے دربار کی حاضری میں قسم قسم کی تدبیرات سے ظاہر کیا اور اُسے منصبِ مقصود دے دیا۔

اگرچہ منصبِ مذکور سطحی نظر سے اُس کے کمالاتِ ظاہری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن دراصل یہ منصب اُسی وقت اُسے مسلم ہو چکا تھا جبکہ اُس کو سن طفولیت میں ہی منصبِ مذکور پر مامور کرنے کے لئے پرورش کیا جا رہا تھا۔ پس یہ منصب وجاہتِ اول کا حاصل ہوا اور حصولِ کمالات و ادائے خدمات اس کے فروعاً سے ہیں۔ پس وجاہتِ اول (وجاہتِ اجتنائی) تحصیلِ کمالات و ادائے خدمات پر مرتب ہے۔ برخلاف دوسری کے کہ کمالات کا حصول اور خدمات کا ظہور حصولِ وجاہت پر مبنی ہے۔

اسی طرح خاص بندگانِ خدا کو بادشاہِ علی الاطلاق و مالکِ بالاستحقاق کے حضور میں منصبِ وجاہتِ دوسری طریق سے حاصل ہوتا ہے: اول، اجتنائی یعنی خداوند تعالیٰ خود ودیعت فرمائے۔ دوم، عبادت کا نتیجہ، یعنی کسی۔ چنانچہ حدیث لایزال عبدی یقرَّب بالتواقل۔ (المحدث) وجاہتِ کسی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور آیاتِ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي، وَاجْتَبَيْتَهُمْ، هُدًى يَأْتِيهِمْ الی صراطٍ مَّسْتَقِيمٍ (النوم

والقیت محبۃ متی ولتصنع علی عینی (طہ) اور حدیث اولئک  
عزست کراقتہم بیدی میں وجاہت اجنبائی کا اشارہ ہے اور یہ ان خاص بندگان  
خدا سے مخصوص ہے جو انبیاء اور مرسلین اور اکابر صدیقین سے ہیں۔

## دوم، حقیقت ولایت

واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی معاملات کو انسانی کمالات میں  
عام لوگوں کی نسبت اس قدر امتیاز ہے کہ وہ دربار کبریائی سے قابل خطاب  
اور کتاب اللہ و اشارات غیبی کے حامل اور صحیح بشارتوں سے مسرور ہیں۔ تکریم  
کے بستان اور تعلیم کے گلستان میں تربیت یافتہ ہیں۔ مجالس تعظیم کے سردار اور  
مدارس تفہیم کے دانش مند ہیں۔ احکامِ الہی کے مخزن اسرار اور الہام کے انوار  
کے مہرور ہیں۔ عالم ملکوت کے نور سے منور اور معجزات کے ظہور سے عالم ناسوت میں مہرور  
ہیں۔ یقین اور حکمت کے نور سے معمور اور زہد و تقویٰ کے دریا میں غرق ہیں۔ محبت اور دوستی  
کے کمالات سے موصوف اور لذاتِ مناجات کے ادراک کے عاشق اور حبیب اللہ کے مقام  
میں ثابت قدم اور بغض فی اللہ کے معرکہ میں علمبردار ہیں۔ عاجزی کے دروازہ میں نہایت ہموار  
اور خشوع کے آداب کے بحر بہ کار ہیں۔ خوف و امید کی شدت سے مانند سیلابے قرار اور  
کمال شوق سے مجرور و دیدارِ الہی، ایسے جیسا کہ آفتاب کے سامنے شبنم۔ رب العزت کی تعظیم  
میں نہایت مہرور اور رضا و تسلیم کے معاملہ میں نہایت مہذب ہیں۔ (ماسوی اللہ) سے علیحدگی  
اور بیگانگی میں حسرت و چالاک اور توکل و تفرید میں نہایت پاک ہیں۔ علائق نفسانی کے قطع کرنے  
میں بے باک اور وساوسِ شیطانی کے دور کرنے میں عین سفاک ہیں۔ لہارت و پاکدامنی ان کی  
جہلی اور اللہ عزوجل کی عبادت ان کا شغل ہے۔ خدا کی محبت کی آگ کو دل میں روشن کئے ہوئے  
اور ماسوی اللہ کو بالکل خاک سیائے ہوئے ہیں زہد و قناعت میں بے مثل اور صبر و استقامت  
میں ضرب المثل ہیں۔ مشکلاتِ ادراک کے حل میں ممتاز اور مہماتِ ہمت کے سرانجام میں  
بلند پرواز ہیں۔ عقل و علم کے خزانے اور عفو و حلم کی کانیں ہیں۔ رخت و وفا کے مجمع اور پاکدامنی



وحیاء کے منبع ہیں۔ تمام خلقت پر رحیم اور مراعاتِ علائق میں کریم ہیں۔ ہر بیگانہ کے دوست اور ہر گھر کے لئے مثل ہما ہیں۔ (خدا کی راہ سے) بھاگنے والے کے پیچھے دوڑتے ہیں (کہ اس کو راہ پر لائیں) اور ہر ایذا دینے والے کے لئے اسے نیک بنانے کی تشویش میں ہیں۔ بہارِ سخاوت کے ابر اور گلستانِ سماحت کی بہار ہیں۔ ہمیشہ شجاعت کے شیر اور میدانِ کارزار کے دلیر ہیں۔ راست گو، سیرِ حشیم اور دشمن کو دوست بنانے والے ہیں۔ مکارمِ اخلاق میں یگانہ آفاق اور طالبانِ حق کے عاشق و مشتاق ہیں۔ اور یہی اوصاف لفظِ ولایت کا حاصل ہیں۔

اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ولایت کے مرتبہ کے تین شعبے ہیں۔ اول معاملاتِ صادقہ مثل الہام، تعلیم، تفہیم غیبی اور حکمت۔ دوم مقاماتِ کاملہ مثلاً محبت، خوف، توکل، رضا، تسلیم، صبر، استقامت، زہد، قناعت، تفرید، تجرید۔ سوم اخلاقِ فاضلہ مثلاً بلند ہمتی، وفور، شفقت، حلم، حیا، محبت، وفا، صدق، صفا، سخاوت اور شجاعت وغیرہ۔

پس ولایت کے منصب کو انہی تین شعبوں سے مرکب کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ یہ منصب تمامہ خاصانِ بارگاہ کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ آیت اس پر دال ہے:

<p>بیشک اولیاء اللہ کو کوئی خوف و غم نہیں ہے۔ اور وہ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کی۔</p>	<p>أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ - الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ - (یونس)</p>
---	---

لیکن ان بزرگوں کی ولایت دوسرا رنگ رکھتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنے خاص خزانہ سے دو بڑے کمالات انہیں عطا فرماتا ہے اور ان ہر دو کمالات کو مذکورہ بالا تمام کمالات پر حاوی کر دیتا ہے۔ پس ان کا ہر ایک کمال اولیاء اللہ کے کمالات سے ممتاز اور ایک دوسرے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ (وہ دو کمال یہ ہیں) اول بندگی۔ دوم پاکدامنی۔ بندگی (عبودیت) کے معنی یہ ہیں کہ یہ حضرات باوجود ان کمالات کے حصول کے اپنے ذاتی نقص کو ملحوظ رکھتے اور ان کمالات کو مانند لباس عاریتاً کے جانتے اور دن رات کی گردش کی طرح پہچانتے ہیں۔ ہمیشہ فضل الہی کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اور ہر حال میں اس کا شکر بجالاتے ہیں۔ اپنے آپ کو بندگی کی حد سے کبھی باہر نہیں نکالتے اور ہمیشہ ادب کے راستے پر چلتے اور ذرا سی

گستاخی اور شوخ چستی کو روا نہیں رکھتے۔ اور ناز و ادا کی کسی قسم کو خیال تک میں نہیں لاتے۔  
 نشہ آور اشیا اور بیہودہ باتوں سے بیزار اور شورش و مستی سے دست بردار رہتے ہیں۔  
 ہمیشہ بندگی کا راستہ طے کرتے اور کثرتِ سجد کا شیوہ رکھتے ہیں۔ ہمیشہ عبودیت کی تصرعات  
 رکھتے ہیں اور تصرفات الوہیت نہیں مانگتے۔ مٹی کی طرح خاموش ہیں اور آتش کی مانند  
 پُر جوش۔ تجرید و تفرید کے مقام میں بندگانِ خدا سے متنفر نہیں ہوتے اور ذمی الحقوق  
 کے حقوق کو تلف نہیں کرتے۔ اور بے عقل مستوں کی مانند مقام توکل پر نہیں چلتے اور ادب  
 کے طریقہ کو جس کے معنی رعایت اسباب کے ہیں ہرگز ہاتھ سے نہیں دیتے۔ باوجود مناجات  
 کی لذت کے گم گشتگانِ بیشہ ضلالت سے دامن نہیں چھڑاتے۔ بلکہ اوقاتِ مناجات میں  
 خلل گوارا کر کے ان کی ہدایت کے لئے ہمت صرف کرتے ہیں۔ رحمنِ خلق کے مقام میں دین مبین  
 کی سہل انگاری اور احکام رب العزت کی تسہیل گوارا نہیں کرتے اور نہ اس ناجائز راہ پر  
 چلتے ہیں۔ مقام سخاوت و سخاوت میں اسراف کو راہ نہیں دیتے اور شجاعت و دلیری  
 میں جوش و غضب کے تتبع نہیں ہو جاتے۔ پس گویا ان کے افعال و اقوال یہ سبب اخلاق  
 کاملہ کے سرزد نہیں ہوتے۔ بلکہ اس خیال سے ہوتے ہیں کہ کیا یہ ہماری بخشش رضائے الہی  
 سے متعلق ہے؟ مثلاً اگر کسی کو کوئی چیز بخشے ہیں تو ہرگز اپنی سخاوتِ جمیلہ کے خیال سے نہیں دیتے بلکہ  
 یہ خیال کرتے ہیں کہ کیا یہ ہماری بخشش رضائے الہی سے متعلق ہے۔ اگر ہو تو فی الفور اسے علی جا  
 پہناتے ہیں ورنہ اس سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کسی جگہ جنگ و جدل بپا کرتے ہیں تو اپنی  
 شجاعت کے خیال سے نہیں کرتے بلکہ اس میں رضائے الہی دیکھتے ہیں، اگر ہو تو داؤ شجاعت  
 دیتے ہیں ورنہ پہلو کشی کر کے اپنی راہ لیتے ہیں۔ اسی طرح تمام معاملات پر غور کر لیجئے۔ پس  
 گویا کمالات مذکورہ تسلیح کے دانوں کی طرح متعدد اور بکثرت ہیں۔ لیکن اصل میں اسی رشتہ  
 عبودیت نے سب کو یکجا پر دیا ہے۔

**عصمت**۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اقوال و افعال، عبادات و عادات،  
 معاملات و مقامات اور اخلاق و احوال جو ان سے متعلق ہیں حق تعالیٰ ان تمام کو مدخلت  
 نفس و شیطان اور خطا و نسیان سے اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھتا ہے اور محافظ ملائکہ کو

ان پر مسلط کر دیتا ہے۔ تاکہ بشریت کا غبار ان کے پاک دامن کو آلودہ نہ کر دے اور نفسِ بہیمہ اپنے بعض امورات کو ان پر مسلط نہ کر دے۔ اور اگر قانونِ رضائے الہی کے خلاف ان سے شاذ و نادر کوئی امر واقع ہو بھی جائے تو فی الفور حافظِ حقیقی اس سے نہیں آگاہ کر دیتا ہے اور جس طرح بھی ہو سکے غیبی عصمت ان کو راہِ راست کی طرف کھینچ لاتی ہے۔

مذکورہ بالا درجاتِ ولایت جو عبودیت اور عصمت کے رنگ سے رنگین ہیں اس کو ولایتِ نبوت کہتے ہیں۔ پس ولایتِ نبوت منصبِ نبوت سے علیحدہ ہے۔ اس لئے منصبِ نبوت، نبوت ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگرچہ ولایتِ نبوت اصالتاً انبیاء ہی میں پائی جاتی ہے لیکن بعض اکابر اولیاء کو بھی بہ سبب اتباعِ انبیاء اس سے حصہ مل جاتا ہے۔ چنانچہ اس دعویٰ کے دلائل کتاب و سنت سے عنقریب مذکور ہونگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

## سوم حقیقتِ بعثت

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام ہر خاص و عام کی طرف تبلیغِ احکام کے لئے مبعوث ہوتے ہیں بعثت کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک باطنی۔ اس کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ حق جل و علی کی طرف سے تبلیغی احکام بذریعہ وحی یا الہام ان تک پہنچتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ رحمت اور شفقتِ بے پایاں ان کے دل میں القا فرماتی ہے۔ جیسا کہ ماں باپ کی شفقت و محبت اولاد کے حق میں ہوتی ہے۔ پس جبکہ بیٹوں کی گستاخی اور آوارگی ماں باپ کے دل میں پیچ و تاب اور قلق و اضطراب کا باعث ہوتی ہے حتیٰ کہ ان کی تادیب و تعلیم کے لئے جان و مال کا نقصان اپنے لئے گوارا کرتے ہیں اور اس قدر بے شمار جد و جہد کرتے ہیں کہ ان کی راحت کو اپنی راحت اور ان کے رنج کو اپنا رنج تصور کرتے ہیں اور تہ دل سے ان کی بہبودی کے خواہاں رہتے ہیں اور ہمیشہ ان کے نفع کی کوشش کرتے ہیں اور چار و ناچار اور جوں توں انہی کے پیچھے چلتے ہیں۔ خواہ بادشاہ وقت کی طرف سے اس خدمت کے لئے مامور ہوں یا نہ ہوں۔ بلکہ اگر بادشاہ کی طرف سے مامور بھی ہوں اور کوشش بھی کریں پھر بھی تقدیر الہی سے تعلیم و تادیب کا اثر اولاد میں ظاہر نہ ہو تو بے شک شکستہ خاطر اور مضطرب

رہتے ہیں۔ اگرچہ اپنی طرف سے کام نبادہ دیا اور مقررہ خدمت کے حق کو ادا کر دیا تو بھی اگر تقدیر الہی سے وہ امر تکمیل کو نہ پہنچا تو گو وہ جانتے ہیں کہ کسی طرح عتاب بادشاہ ہم پر نہ ہوگا اور نہ ہم پر کوئی قصور عائد ہوگا۔ اور اگرچہ بادشاہ ان کی محنت و مشقت پر بصد زبان ان کی تحسین و آفرین کرے تو بھی ان کے دل سے پریشانی اور ملال دور نہ ہوگا۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو اپنی قوم کے رحم و شفقت کا ملکہ ہوتی ہے اور قوم کا ضلالت گمراہی کے بھنور میں پریشان ہونا ان کے دل کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے اور ان کے پُر از طہارت حال کو قسم قسم کے رنج و ملال دامنگیر ہو جاتے ہیں۔ اور باوجود نزول آیات:

كَلَّا بَايِعْتُمْ نَفْسَكُمْ اَنْ لَا تَكُوْنُوْا  
مُؤْمِنِيْنَ۔ (الشعرا)

شاید تو اپنی جان کو ہلاک کر دے کہ وہ کیوں  
مومن نہیں ہوتے۔

اور:

اِنَّمَا اَنْتَ مَذْكُوْرٌ لِّسِتِّ عَلَيْهِمْ مُمْصِطِرٌ | تو تو صرف سمجھانے والا ہے نہ کہ داروغہ (غاشیہ) کے ان کی ہمت میں کوئی فتور اور ان کی کوشش میں کوئی قصور راہ نہیں پاسکتا، کونسا رنج و غم ہے جو تبلیغ کے مقدمہ میں اپنی قوم سے اپنے اوپر گوارا نہ کیا اور باوجود اس کش مکش کے پھر بھی کبھی رنجیدہ خاطر نہ ہوتے اور ہر کس و نا کس کے گراں سخنوں کو کس قدر ہلکا جانا اور دور و نزدیک کے سخت سے سخت دشنام کو سہل و آسان پہچانا۔ (اور فرمایا):

كَا فَا هُمْ اَللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ اِحْسَنَ الْمَكَانٰتِ | بدلہ دے ان کو اللہ تعالیٰ اس پر اچھا اور جزا  
وَجَا زَهُمُ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ اِحْسَنَ الْمَجَازٰتِ۔ | دے ان کو نیک۔

پس ان کی اس رحمت کا لہرور ہی حقیقت بعثت ہے۔

یہ امر بھی غور طلب ہے کہ بعض اوقات اہل کشف اور صاحب علم بھی ان اقوال و افعال یا بعض عادات و رسومات کے حسن و قبح سے جو کسی قوم کے درمیان رائج ہوں تو وہ بھی اور استدلال کسی کے ذریعہ مطلع ہو جاتے ہیں اور قوم کو رحمت و شفقت کی بناء پر اس سے آگاہ کرتے اور مستحسن امور کی طرف ترغیب دیتے ہیں اور امیر قبیلہ سے ڈراتے ہیں۔

اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ منصب بعثت تک پہنچے ہیں بلکہ منصب بعثت

اس وقت ثابت ہوگا جبکہ تاویب و تعلیم اور ترغیب کو ترہیب کی خدمت انکے سپرد کیجائیگی مثلاً جو کوئی مقربان حضور بادشاہی سے ہوتا ہے۔ بدیشک بادشاہ کی اس آفرین و نافرین کو اپنے کانوں سے سنتا ہے جو رعایا کے حق میں کی جاتی ہے اور وہ اپنے دستوں کو انکی خیر خواہی کے خیال سے مطلع کر دیتا ہے لیکن اس بات سے اس کو محتسب شہر نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس لقب سے اس وقت لقب کیا جاسکے گا جبکہ وہ احتساب کی خدمت پر مامور ہو جائے۔ پس لوگوں کی تربیت کے واسطے مبعوث شدہ اور شخص ہے اور لوگوں کی مردودیت اور مقبولیت کا عارف اور ان کے افعال کے حسن و قبح کا عالم یا ترغیب و ترہیب کے وعظ کا شاغل دوسرا شخص ہے یعنی نبی۔ وہ اوصاف جو گزشتہ ہر سہ تنبیہات میں مذکور ہیں وہ سب ان کے کمالات کی شرح ہیں اور جو دوسری تنبیہوں میں مذکور ہوگا وہ ان کی تکمیل کی شرح ہے۔

## چہارم حقیقت ہدایت

یاد رکھو کہ ہدایت انبیاء کے معنی ان کی سیادت کے اثر کا ظہور ہے۔ جو وجاہت کے بیان میں مذکور ہوا اور سیادت کے معنی ان کی وساطت ہے جو اللہ العزیز اور اس کے بندوں کے درمیان فیض غیبی سے ہدایت یا بکر کے حلقہ مقبولین میں داخل کر دیتی ہے۔ اس مقام پر غور طلب یہ امر ہے کہ کس طریقہ اور وجہ سے ان سے ہدایت صادر ہوتی ہے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ انبیاء کی بعثت سے مقصود یہی ہے کہ بندگان خدا اقوال و افعال، عبادات و رسوم اور معاملات میں انہی کی طرح مؤدب اور اخلاق میں اسی طرح کے مہذب ہو جائیں۔ اور مقامات و ارادات میں اسی طرح استقامت حاصل کریں اور علوم و اعتقادات میں ویسا ہی رسوخ پیدا کریں تاکہ انہیں دنیا میں حصول معاش کے ذرائع اور آخرت میں بہبودی حاصل ہو اور رشتہ مع اللہ کا معاملہ ان پر کھل جائے۔ مگر حسن معاد اور رشتہ مع اللہ کا معاملہ انہی کی نظر اور ذات سے ملحوظ اور انتظام معاش ان کے اتباع سے مخصوص ہے پس جو چیز کہ نافع معاش اور مضر معاد ہوگی اس کے مانع ہونگے اور اگر برعکس ہوگا تو اس کا امر فرمائیں گے۔ جیسا کہ خمر و قمار کے حق میں اللہ رب العزیز نے فرمایا ہے:

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ  
فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا  
الْكَبِيرُ مِمَّنْ نَّفَعَهُمَا.

(البقرہ)

لے پیغمبر آپ سے شراب اور جوئے کے بارہ میں  
سوال کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا  
گناہ ہے بیشک آدمیوں کو اس سے نفع بھی  
پہنچتا ہے مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما الخمر ليس بدواً ولكن داء - | کہ شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔

اس کلام ہدایت التیام سے شراب کی اچھی تاثیروں کا ابطال نہیں ہے بلکہ اس سے  
اس کا ضرر بیان کرنا مقصود ہے جو آخرت کو ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ شراب بیشک بعض  
جسمانی بیماریوں کی دوا ہے لیکن وہ دوا جو روح انسانی کے لئے مرض مہلک ہے۔ لہذا  
اس کو مرض ہی شمار کرنا چاہئے نہ کہ دوا۔

بالجملہ انبیاء علیہم السلام ان تین فنون سے ہدایت فرماتے ہیں: اول فن عقائد۔ دوم  
فن احکام۔ سوم فن اخلاق۔ بزرگان دین کے فضائل کا فن عقائد کا شعبہ ہے مگر فضائل اعمال  
کا فن، فن احکام اور فن مقامات و ارادات فن اخلاق کا شعبہ ہے۔ پس ان عقائد کو ایمان  
کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں تو فن احکام کو اسلام سے اور فن اخلاق کو احسان سے ملقب کرتے  
ہیں۔ کیونکہ یہ ہر سہ امر آخرت کے لئے کارآمد ہیں۔ رہے تصوف کے حقائق اور فلسفہ کے دقائق  
کے علوم، گنہ جو بیان و حقیقہ شناس کے اشارات اور چرب زبانان تکلف کیش کے کنایات،  
سوان کی ہدایت سے ان کو بوجہ نہیں ہے۔ بلکہ ان امور کی نسبت سادگی کو ترجیح دیتے ہیں اور  
ان کی طلب کو جملہ آوارگی سے شمار کرتے ہیں۔ اور فن تاریخ اور شعر بازی کو بے مغز  
داستانوں سے جانتے ہیں خواہ تمثیل کے طور پر کبھی اس سے کام لیا بھی گیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ تربیت روحانی میں ان کا حال طبیب کی مانند ہے جو معالجہ جسمانی  
میں مریض کی اصلاح کو مد نظر رکھتا ہے اور زائد گفتگو کو لغو جانتا ہے مثلاً کسی مریض کو سناٹے  
کی کا استعمال فرماتا ہے تو اس قدر بیان کر دیتا ہے کہ برگ سنا اس طرح کے ہوتے ہیں ان کو  
کوٹ چھان کر تھوڑا سا شہد ملا کر کھا لو۔ یہ بیان نہیں کرتا کہ سناٹے کس مقام میں پیدا ہوتی

ہے اور کس موسم میں پتے لگتے ہیں اور تاجرانِ ادویہ اسے کیونکر لاتے اور کس برتن میں رکھتے ہیں کس راہ سے لاتے اور کیونکر اس کی تجارت کرتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ بیان کرتا ہے کہ شہد لکھیوں کے چھتوں سے کیونکر پیدا ہوتا ہے اور نباتاتِ مختلفہ کے رنگ و بوجو کہ شہد کا اصل ہوتے ہیں کہاں جاتے ہیں۔ اور سنا کے اجزا کوٹنے اور چھاننے سے کس قدر باریک ہوتے ہیں۔ کیا رائی کے دانہ کے برابر ہوتے ہیں یا اس سے باریک یا شہد ملانے سے کیونکر ہوتے جاتے ہیں۔ کیا ترانگلی سے ملانا چاہئے یا انگشتِ شہادت سے۔ غرض کہ اس قسم کی باتیں طبیب کی نظر میں محض پریشانی ہے اور ان باتوں کے گرد ہونا مریض کے لئے سراسر نادانی ہے۔ اس طرح بے حاصل تحقیق اور بے انتہا تدقیق علمِ اخلاق کے احکام میں حق جو بیان کے لئے صرف آوارگی ہے بلکہ سراسر دیوانگی۔ جس کسی کو اللہ رب العزت نے اپنی حکمت بالغہ سے عوام الناس کی ہدایت کے منصب پر مقرر کیا ہو اس سے اس طرح کی قیل و قال ناممکن اور محال ہے۔ اس مقام پر اچھی طرح سے غور کرنا چاہئے اور نائبانِ حکیم مطلق و ہادیانِ راہِ حق اور سخن ساز لوگوں اور حیلہ ساز چرب زبانوں کے درمیان اچھی طرح سے امتیاز کرنا چاہئے۔

اور جس طریقہ سے انبیاء علیہم السلام سے ہدایت حاصل ہوتی ہے اس کا بیان اس طرح ہے کہ اس ہدایت کا وقوع عموماً پانچ طرح پر ہے۔ اول نزولِ برکت۔ دوم عقدِ ہمت۔ سوم فیضِ صحبت۔ چہارم خرقِ عادات۔ پنجم اظہارِ دعوت۔

(۱) نزولِ برکت کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا وجود پر جو آفتابِ عالم تاب کی مانند ہے جیسے کہ اس کا نور تمام جہان میں پھیلتا ہے تو ضرور ہی رات کی تاریکی دور ہو جاتی ہے اور جو چیز آفتاب کے سامنے تنگی پڑی ہو وہ اس کی گرمی سے گرما جاتی ہے اور تاریکی سے پاک ہو جاتی ہے مگر جو چیز گھر کے اندر اس سے پوشیدہ ہے بے شک و اس کے نور سے محروم ہے۔ لیکن رات کی تاریکی اس کے نور سے معدوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا لطیف نور تاریکی کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا اور اسے ظلمت کی حد سے نکال دیا۔ اگر گھر بغیر دروازہ کے ہے تو سراسر تاریکی سے پر ہے۔

یا پرسات کی مانند سمجھنا چاہئے کہ جب یہ موسم آ پہنچتا ہے تو نباتات میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو کچھ اب رکھنے والے لئے اس پر برسیا اس سے رنگارنگ کے پھول کھلے۔ ورنہ رطوبت ہوا سے اس کا حال متغیر ہو جاتا ہے سبزی اور تازگی اس میں نمودار ہوئی ہاں سنگلاخ زمین میں کوئی پھول اور کاٹا نہیں اگتا۔ اور بے شک لکڑی سے کوئی شخص برگ و بار طلب نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب یہ بشری لباس والے پاک لوگ اور جنس النساء کے کرویاں فلک الافلاک کی بلندی سے اس تیرہ و ش خاک پر نزول فرماتے ہیں تو ان کے ہمراہ ایک برکت نازل ہو کر انرا و بنی آدم کے دلوں میں داخل ہوتی ہے۔ اور ہر سعادت مند کے دل میں خود بخود طلب حق جوش مارتی ہے۔ لوگ ہر واعظ کی گفتگو پر کان رکھتے ہیں۔ اعمال شاقہ کے لئے دلوں میں ہمت پیدا ہوتی ہے اور رنج و تکلیف اٹھانے کا عزم ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے نزول کے وقت کے بہت سے علماء اپنے علم کو افسانہ کی مانند جاننے لگتے ہیں اور اس کو افسانوں کی طرح اپنی زبان پر لاتے ہیں۔ اچانک اپنے فہم کی حقیقت سے بیدار اور مقصد علم کے حصول کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ عمل کو علم کا ضمیمہ اور اخلاق کو فہم کا نتیجہ بناتے ہیں۔ سخن آرائی کے تحقق سے بیزار اور انجمن پیرائی کے تکلف سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے خلوت گزین زیادہ اور چلہ نشین درویش ہوتے ہیں کہ اپنے پوشیدہ مفاسد سے آگاہ ہو کر نفس امارہ کی اصلاح میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ جاہ و مرتبہ کی محبت کو پس پشت ڈالتے اور اللہ عزوجل کی رضا کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اور اپنے تمام نام و نشان کو اس راہ میں کھو دیتے اور اپنے آپ کو مردانہ و ارا اس دریا میں ڈال دیتے ہیں۔ یہی حیرت زبان واعظ ہوتے ہیں کہ منبروں پر پکارتے اور اپنی تمام کوشش کو برباد کرتے ہیں۔ کوئی ان کے وعظ کو خیال تک نہیں لاتا اور ان کے کلام کو ایک جو کی قیمت کا شمار نہیں کرتا۔ پھر جب طلب حق ہر کس و ناکس کے دل میں جوش مارتی ہے تو ان کی ایک ایک بات کو گوش ہوش سے سنتے اور ان کا ہر ایک کلمہ سامعین کے دل پر تیر کی مانند بلٹھتا ہے اور ہر شخص ان کو پیروں کی مانند ماننے لگتا ہے۔



حاصل مطلب یہ کہ کلمۃ اللہ ہر ایک کے دل میں جوش مارتا اور ہر ایک زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ ہر محفل میں یہی گفتگو اور ہر مجمع میں یہی بحث و تکرار ہوتا ہے۔ ہاں جو کہ شقی ازلی ہو، اس سعادت سے محروم اور ہر حال میں مذموم ہے

اس انشارا اور ظہور برکت کو نزول امانت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ان الامانت تنزل فی جدار قلوب الرجال ثم علّموا من الکتاب ثم علّموا من السنّة۔

امانت کا نزول اصل قلوب بندگان پر ہوتا ہے اور وہ اسے قرآن و حدیث سے معلوم کرتے ہیں۔

اور کلام حق اس شخص کے لئے نافع ہوتا ہے کہ جس کے دل میں پہلے ہی برکت کا نزول ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

انساناً تَنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ۔ (یس)

تم اسے ڈراؤ جو سمجھانے پر عمل کرے اور دیکھے رحمن سے ڈرے۔

اور فرمایا:

فَذَكِّرْ اِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَى سَيَذَكِّرُ مَنْ يَخْشَى۔ (اعلیٰ)

اگر تبلیغ کا کام کرنا ہے تو لوگوں کو سمجھاؤ۔

پس اسی برکت کو ان ہر دو آیات میں ڈر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲) عقدا ہمت۔ اس کمال کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ پس ظاہر اس کا تو یہی ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام سے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے اللہ رب العزت اور کبریائے بلند عظمت کے حضور میں دعا اور التجا کی جنس سے صادر ہوتا ہے عموماً ہو یا خصوصاً۔ یعنی عام طور پر تمام امت کے لئے۔ یا خاص طور پر اپنی امت کے بعض افراد کے حق میں۔ پس حقیقت اس کی یہ ہے کہ ان کی توجہ قلبی امت کی ہدایت کے لئے کمال رغبت سے ہوتی ہے، عام ہو یا خاص۔ اور یہ غیبی شفقت کا اثر ہوتا ہے جو مقام بعثت میں پہلے مذکور ہو چکا۔ پس جیسا کہ مہرباں باپ کی ہمت بیٹے کی اصلاح کے لئے ہر وقت مصروف رہتی

ہے۔ اسی طرح ان بزرگوں کی ہمت تمام نیک و بد کی اصلاح کے لئے ہمیشہ مبذول ہوا کرتی ہے۔ اور یہ دعائے حالی ہے کہ انہی کی ذات سے ہمیشہ لازم ہے۔ پس گویا کہ ان کا وجود پر جو دتہما متر ایک مجسم دعا ہے اور یہی دعائے حالی ان کو کبھی دعائے مقالی کی طرف کھینچ لاتی ہے اور دعا و التجا کی اقسام ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اور یہ روحانی دعائیں طرح سے اُمت کے دلوں میں ہدایت کے ظہور کا باعث ہوتی ہے۔ اول یہ کہ دعا ایک خاص شخص سے کمال صدق و اخلاص سے ظاہر ہوتی ہے اور انبیاء کی دعا بلا شک مقبول اور مستجاب ہے۔ دوم حکیم مطلق نے اپنی کمال حکمت اور کامل قدرت سے یہی طریقہ عالم خلاق و تکوین میں جاری فرمایا کہ ہمتِ قویہ کے انعقاد کو موجودہ اشیاء کے ایجاد میں اثر بخشا۔ چنانچہ نظر بد، حسد، دعا اور افسون کا اثر اسی قسم سے ہے۔ پس جبکہ ناتوانوں کی ہمت کو اس قدر اثر بخشا تو بلند ہمتوں کے اثر کو کس حد تک جاننا چاہئے۔ سوم کہ ان بزرگانِ بارگاہ کے دلوں میں ہمتِ قویہ کا جوشن ہونا خواہشاتِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی سے نہیں ہے بلکہ احکامِ ربانی اور الہامِ رحمانی کی جنس سے ہے۔ کیونکہ ان کی بعثت دریائے رحمت کی ایک ٹھاٹھ ہے جس نے تشنگانِ راہِ ہدایت کی دستگیری کے لئے جوش مارا۔ پس ان کے دل سے ہمت کا جوش مارنا رحمتِ حیم مطلق کی توجہ کی علامت ہے۔ جو اپنے بندوں کی طرف ہوئی۔ چنانچہ آیات:

وَمَا آدَّ سَلْتُكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (انبیاء) | تجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت کر کے بھیجا۔

اور

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ (آل عمران) | اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی اپنی جنس سے رسول پیدا کر کے مومنین پر احسان کیا۔

انہی سنتوں پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳) فیضِ صحبت - کا بیان یہ ہے کہ اس کی بھی ایک ظاہریت ہے اور ایک

حقیقت۔ ظاہر یہ ہے کہ فیضِ صحبت سے دو طرح پر ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اول یہ کہ جو کوئی کسی کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کے کلام کو یا لمشاوہ سنتا اور اس کے روبرو فائدہ

حاصل کرنے کی غرض سے بیٹھتا ہے اور اس کے اوضاع و اطوار، عبادات و عادات اور معاشرت و معاملات کو غور سے دیکھتا ہے تو پھر بے شک اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی مزاج دانی اور مرض شناسی کے سلیقہ پر غور کرتا ہے اور مناسب اور غیر مناسب اور پسندیدہ و ناپسندیدہ کی اسی سلیقہ سے امتیاز کرتا ہے۔ اور اس کے محلِ کلام سے آگاہ ہو کر مقامات و موارد کلام کو بخوبی جانتے لگتا ہے۔ بہت سے معافی ایسے ہیں جن کا حصول صرف نفس کلام سے نہیں ہوتا۔ اور جب ماضی و مستقبل کو دیکھا جاتا ہے اور متکلم و سامع کے کلام کو ملحوظ رکھا جاتا ہے تو وہی معافی کلام کا مفہوم ہوتے ہیں۔ غرضیکہ ماقبل ہمنشیں کو اپنے رئیس کے مقامات میں ملکہ اجتہاد حاصل ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ جب ان بزرگوں کے پیرو اور طالبانِ صادق احکام رب العالمین کے بارہ میں ان کی نہایت درجہ کی استقامت اور دین متین کے حقوق کی ادائیگی میں کمال درجہ کی سبقت اور بلند ہمتی کا حال دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں بھی نہایت درجہ رغبت پیدا ہوتی ہے اور ان کا وعظ و کلام اور بیان ان کے تہ دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ اور جو شخص کہ دوسروں کو کسی امر کی دعوت دے اور اپنے آپ کو اس کا عامل نہ بنائے تو سننے والے اس کے کلام کو افسانہ بے مغز سمجھتے ہیں اور ان کے مضامین کو ایک شعر بازی جانتے ہیں۔ چنانچہ آیہ کریمہ انہم یقولون ما لا یفعلون (شعر) وہ وہ بات کہتے ہیں جس پر خود عامل نہیں، ان کے حال کا اظہار کرتی ہے اور اسی واسطے قرآن پاک میں بے عمل و اعظوں پر بہت ملامت کی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:-

لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو اس کے عمل سے بھلا دیا ہے حالانکہ تم کتاب اللہ پڑھتے ہو۔ کیا تم خود نہیں جانتے۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ  
أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا  
تَعْقِلُونَ۔ (البقرہ)

اور فرمایا:-

اے ایمان والو! تم جو خود نہیں کرتے وہ لوگوں کو کیوں کہتے ہو۔ یہ اللہ کے نزدیک

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ  
مَا لَا تَفْعَلُونَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ

تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ - (صف) | بڑا گناہ ہے کہ جو خود نہ کر وہ دوسروں کو بتاؤ۔

اس واسطے کہ بے عمل واعظ طالبِ حق کے لئے سیدِ راہ ہے۔ کیونکہ کلامِ حق پر خود عمل نہ کرنے کے سبب لوگوں کی نظر میں کلامِ حق کو بے اعتبار کرتا ہے۔ جب خود ہادی عمل کرنے میں پورا ہو اور رخ و غم برواشرت کرنے میں لوگوں سے سبقت کرے تو بیشک لوگ بھی اس کے اتباع میں بقدر استطاعت کوشش سے نہیں ہچکچاتے اور اپنی کم ہمتی کے عیب کو جوں توں کر کے مکلف سے چھپانا چاہتے ہیں۔ جبکہ وہ میر قافلہ کو آگے آگے چلتا دیکھتے ہیں تو وہ آپ بھی کشاں کشاں ان کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ اسی واسطے حق جل و علی پہلے اپنے انبیاء کو ہی تبلیغ کے کام پر مامور فرماتا ہے اور پھر اس کے بعد دوسروں کو اس کی طرف ترغیب دیتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

اللہ کے راستہ میں خود جنگ کرو نہیں ہے  
تکلیف کا ذمہ مگر تیری اپنی جان کا مومنین  
کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دلا۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تَكْفَ الْأَنفُسَ  
وَحَرْصَ الْمُؤْمِنِينَ -

(النساء)

یہی ادراک فیضِ صحبت کی ظاہر صورت ہے۔ اور فیضِ صحبت کی حقیقت کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی روح گلشنِ ملکوت کا ایک گلدستہ اور آتشِ جبروت کا ایک تند شعلہ ہے۔ پس جیسا کہ کسی محفل میں گلدستہ رکھا جاتا ہے اور حاضرینِ مجلس ہر طرف سے اس کی طرف دیکھتے ہیں تو بے شک اس کی دلاویز خوشبو ہر ایک کے دماغ میں پہنچتی ہے۔ اور روح کو فرحت اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ البتہ اگر کسی کو زکام کا غلبہ ہو تو وہ اس کی لذت کے ادراک سے محروم رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی محفل میں شمع روشن ہو تو اس کا نور ہر کس و ناکس تک پہنچتا ہے۔ اگر شیشہ سامنے ہو تو وہ بھی اسی کے نور سے تابناک ہو جاتا ہے بلکہ یہاں تک چمکنے لگتا ہے کہ وہ خود بھی دوسروں پر روشنی ڈالنے لگتا ہے۔ اگر آئینہ نہ بھی ہو تو بھی وہ چیزِ ظلمت سے گھپ نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تمام محفل نور سے ہے اور ہر شخص اس کے دیکھنے سے مسرور مگر جو کوئی اندھا ہے وہ اس کی نور افشانی سے ضرور بے بہرہ رہتا ہے۔ اسی طرح ان بزرگوں کے ہم نشینوں کا دل لذتِ صحبت سے مسرور

اور قوتِ ایمانی سے معمور ہوتا ہے۔ جو نور ان کے دلوں میں ہدایت کے انوار سے چمکتا ہے اس کا عکس ہمنشینوں کے دلوں کو آرائش دیتا ہے۔ عظمت اور کبریائی کی بجلیاں ان کے دلوں میں چمکتی ہیں تو ان کے ہمنشینوں کے دل ڈر اور ہدایت سے کانپتے ہیں۔ تفرید و تجرید کی آتش ان کے دلوں میں روشن ہوتی اور ہمنشینوں کی بشریت کی آتش کو اس سے چلا ہوتی ہے۔ ابر رحمت ان پر برستا ہے اور ہمنشینوں کے پورے اس سے برگ و پھل لاتے ہیں چنانچہ یہ معنی متعبد و احادیث میں مذکور ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ تكون عندك تذکرنا بالنار والجنة کاذارای عین فاذا اخرجنا من عندك عاقسنا الازواج والاولاد والفیعات نسینا کثیرا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدایہ لوتدا و مرن علی ما تکلون عندی و فی الذکر لصا فحتکم الملائکة علی فرشکم و فی طرفکم۔ جب ہم آپ کی صحبت میں ہوتے ہیں اور آپ ہمیں دوزخ جنت کا ذکر سناتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے کہ گویا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور جب ہم آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں اور کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ہم اسے بھول جاتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تمہارا حال ہمیشہ وہی رہے جو میرے پاس اور ذکر کرتے میں ہوتا ہے تو راہوں اور بستروں پر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور روایت ہے: قال اتی رسول اللہ صلعم اعرابی وقال جهدت الال نفس و جاع العیال و نهکت الاموال و هلکت الالعام فاستسقی اللہ لنا فاناستشفع بک علی اللہ و نستشفع باللہ علیک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ سبحان اللہ فما زال یسبح حتی عرف ذالک فی وجوہ اصحابہ۔ (یعنی کہا گیا ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا ہمارے جانوں پر تنگی ہے اور اہل و عیال بھوکے مر رہے ہیں اور مال کم ہو گئے اور جانور ہلاک ہو گئے پس آپ اللہ سے ہمارے لئے سفینہ مانگئے۔ ہم تمہاری سفارش اللہ پاک کے پاس لے جاتے ہیں اور اللہ کی سفارش

آپ کے پاس لاتے ہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا سبحان اللہ سبحان اللہ، اور اس قدر تسبیح کی کہ اس کا اثر صحابہ پر ہوا) الحدیث

ایک اور روایت ہے عن بعض الصحابة انه قال كنا مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم جاء الى مقبرة فجلس فجلسنا حوله وكان على رؤسنا الطير وقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم خيار عباد الله من اذراوا ذكروا الله (بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ قبرستان میں تشریف لے گئے اور وہاں بیٹھ گئے اور ہم بھی گروا اگر دو خاموش بیٹھ گئے جتنی کہ جانور ہمارے سروں پر بیٹھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں سے بہتر وہ بندہ ہے کہ جب اسے دیکھیں تو اللہ یاد آجائے)

ایک اور روایت ہے: ودوئی عن صحابة انهم قالوا كنا نذاق النبي صلی اللہ علیہ وسلم بايدينا والايمن يطير من قلوبنا۔ (بعض صحابہ نے کہا کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں سے دفن کر رہے تھے تو ایمان ہمارے دلوں سے اڑا جا رہا تھا، الغرض یہ ہدایت جو فیض صحبت سے حاصل ہوتی ہے، ایک لمبا چوڑا ذکر ہے کہ اس کی تفصیل ان چند اوراق میں مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ بنا برین ان چند کلمات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس قدر سئلہ پر تو اجماع ہے کہ صحابہ کبار اگرچہ بعض ان میں سے مرتبہ اجتہاد اور منصب ولایت تامہ نہ رکھتے تھے۔ لیکن امت سے افضل ہیں۔ اسی طرح سے سمجھ لینا چاہئے کہ ہر صاحب کمال کے ہنشین اس صاحب کمال کے تمام متبعین سے افضل ہیں پس وہ ہدایت جو فیض صحبت سے حاصل ہوتی ہے بالضرور وہ دیگر اقسام سے افضل ہے۔

(۴) خرق عادت کا بیان یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنی قدرت کاملہ سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لئے کوئی امر ظاہر فرمادیتا ہے کہ جس کا ظہور ان سے ناممکن معلوم ہوتا ہے خواہ اس چیز کا ظہور کسی اور شخص سے ممکن ہی ہو۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ بعض چیزوں کا وجود قانون الہی کے موافق ان کے اسباب و آلات پر موقوف ہوتا ہے۔ پس جو کوئی ان چیزوں کے اسباب و آلات حاصل رکھتا ہے اس سے ان چیزوں کا ظہور خرق عادت سے نہیں ہے۔ اور جو کوئی ان کے اسباب و آلات نہیں رکھتا اگر اس سے اس کا

ظہور ہو تو یہی خرقِ عادت ہے۔ مثلاً اگر کاتب لکھے تو یہ خرقِ عادت نہ ہوگا اور اگر امی دمی لکھے تو یہ خرقِ عادت ہوگا۔ اور اوزاروں سے کسی کو قتل کرنا یہ خرقِ عادت نہیں ہے۔ مگر صرف دعا سے کسی کو مار ڈالنا یہ خرقِ عادت ہے۔

پس اس بیان سے واضح ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر خرقِ عادت طاقتِ بشری سے باہر ہے بلکہ اسی قدر لازم ہے کہ صاحبِ خارقہ سے اس چیز کا ظہور فقدانِ آلاتِ اسباب کی جہت سے خلافِ عادت ہو۔ پس بہت سی چیزیں ہیں کہ ان کا اظہار مقبولانِ خدا خارقِ عادات سے سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اس قسم کے فعل بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جادو گروں اور اہل طلسم سے ممکن الوقوع ہوتے ہیں۔ پس جس وقت کہ ایسے واقعات کے دیکھنے سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ سحر و طلسم کی بہارت نہیں رکھتا تو پھر ایسے خوارقِ اس کے صدق کی شہادت دیتے ہیں اور اسی واسطے ماڈہ کا نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں سے شمار کیا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ بہت سے جادو گر نفیس اشیاء از قسم میوہ جات و شیرینی وغیرہ شیاطین کی مدد سے حاضر کر لیتے اور اپنے دوستوں اور سمنشینیوں میں فخر کرتے ہیں۔ مگر ان کو جادو ہی کہا جائے گا بخلاف اس کے حضرت عیسیٰ سے ایسا ہونا معجزہ سمجھا گیا۔

جب خرقِ عادت کے معنی ظاہر ہو گئے تو یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ معجزات کا ظہور کیوں ہوتا ہے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ خرقِ عادات کا ظہور بالذات اسبابِ ہدایت سے نہیں ہے خواہ وہ بعض نیک بختوں کے لئے اتفاقاً ہدایت کا سبب ہو جاتا ہے بلکہ اس کا ظہور بالذات ہونا تمام حجت اور برائے خاموش گردانیدن مخالفین و الزام مجادلین ہے اور گستاخ و شوخ چشموں کی تادیب ہے اور پر خشم دشمنوں کی تحریف کے لئے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا۔ | اور ہم نشانیاں اور کسی غرض کے لئے نہیں (بنی اسرائیل) بلکہ ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں۔

کیونکہ ظاہر ہے کہ ہدایت کے معنی وہ نور ہیں جو رحمتِ الہی سے ازلی نیک دلوں میں مینہ کی طرح برستا ہے۔ اور اس کو محبوبِ حقیقی کی محبت اور معبودِ تحقیقی کی اطاعت کے لئے

برائے گنہگار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کی محبت میں جان و مال کی پروا نہیں کرتا اور اس کی اطاعت میں بہت تیز و دوڑتا ہے۔ یہ بات معجزات کے ظہور کے مشابہہ سے بہت کم حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جو شخص مناظرہ و مجادلہ میں ملزم و لاجواب ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں نعت اور اخلاص بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ ہاں حیران و سرگردان اور دست و پاؤں گم کردہ راہ سناکت ہو جاتا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ معجزات کا ظہور کبھی کبھی اچھا ہے ہر دفعہ اس کا ظاہر ہونا لوازم ہدایت سے نہیں۔ اور نیز واضح ہوا کہ اگر کسی سے معجزات ظہور ہوئے اور مشابہہ کرنے والوں سے کسی کو ہدایت نہ ہوئی تو اس کے منصب کے نقصان کا باعث نہ ہوگا۔ اور یہ بات کہ یہ معجزات کیونکر حادث ہوتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حق جل و علی اپنی قدرت کاملہ سے اپنے مقبولوں سے کسی مقبول کی تصدیق کے لئے عالم ملکوت میں عجیب و غریب تصرف کرتا ہے نہ یہ کہ خرق عادات کی طاقت کو اس مقبول میں ایجاد کر دیتا ہے یا اس کو اس کے اظہار کے لئے مامور کر دیتا ہے۔ حاشا و کلا عالم ملکوت میں تصرف کی قدرت صرف خاصہ قدرت ربانی ہے نہ کہ قدرت انسانی۔

(۵) اظہار دعوت کا بیان یہ ہے کہ حق جل و علی اپنی حکمت کاملہ سے ان مقبولان بارگاہ کو مختلف مزاج لوگوں کی تربیت کا سلیقہ اور فصیح کلام اور بیان بلیغ کی قوت متقدمہ ہدایت، ایضاً تقریر اظہار مافی الضمیر کے باب میں عطا فرمادیتا ہے چنانچہ اللہ رب العزت نے داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخِطَابِ (ص) ہم نے اس کو حکمت اور فصل خطاب عطا فرمایا۔

حکمت سے مراد یہی تربیت کا سلیقہ ہے۔ اور فصل خطاب کے معنی بیان بلیغ ہے۔ اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے۔

وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا (النساء) | ان کے نفسوں سے بلاغت سے بات کرو۔ لیکن غور کرنا چاہئے کہ ہادیان مبعوث کی دعوت اور طرح ہوتی ہے اور دانشمندان فنون کی تعلیم اور طرح۔ ان کے درمیان تمیز کرنا دو طرح پر ہے۔ اول یہ کہ ان کی دعوت کا



کلام محاورات اہل عرف پر جاری ہوتا ہے جو کہ اپنے معاملات و مکالمات میں اس کو استعمال کرتے ہیں اور دانا یا ان علم کلام و مصنفان کتب کی اصطلاحات پر جاری نہیں ہوتا کہ اپنی تحریر و تقریر کو اس کی بنا پر کریں بہت سے مجازات ہیں جو حقیقت اور اصلیت کی نسبت مشہور محاورات میں زیادہ تر رائج ہوتے ہیں اور بہت سی قیود اتفاقی ہیں نہ کہ احترازی۔ اور بہت سے تکرار ہیں جو محض تقریر و تاکید کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ مضمون جدیدہ کے فائدہ کے لئے اور بہت سے مضمون ہیں کہ ان کے جزو سے بھی معافی نکل آتے ہیں اور ان سے کسی قدر قرآنِ حالیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور بہت سے کلمات ہیں جو اپنی اصلیت سے نکل کر اور غلط العوام ہو کر ہر خاص و عام کی زبان پر رائج ہو جاتے ہیں اور انہی کے رائج طریقہ سے کلام کرنا فصیح معلوم ہوتا ہے اور اصلی قانون غیر فصیح ہو جاتے ہیں۔ الحاصل ان کی کلام دعوت کو تقریر و خطاب سے جاننا چاہئے نہ کہ اسے تصنیف کتاب کا قانون سمجھا جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تربیت قوم کے باب میں ان کا حال مہربان باپ کی طرح یا دانش مندا استاد کی طرح ہوتا ہے۔ کہ اپنی تربیت کی نظر کو بیٹے کے حال کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ جب کوئی غیر مناسب بات اس سے ظاہر ہو جائے۔ تو اسے محبت یا انس کے طریقہ سے یا ادب و سختی سے یا مشورہ و صلاح کے ڈھنگ سے یا طبیعت و مزاج کے رنگ سے یا کتایہ و اشارہ کے طریقہ سے یا مناسب حال اشعار کی شعر خوانی سے یا بیان مثالی سے مثال دے کر یا گزشتہ انسانوں کے ضمن میں یا سخت و عید سے (غرض جس طرح سے ممکن ہو) اس نامناسب بات سے آگاہ کر دیتے ہیں اور اسی طرح سے جب اسے عمل مستحسن کرتے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس کے طریقہ سے اسے ناواقف پاتے ہیں۔ تو اس کو اس کی ادائیگی کے طریقوں سے خبردار کر دیتے ہیں۔ یا اس طرح بتاتے ہیں کہ اس کے روبرو اس فعل کو احسن طور پر ادا کرتے ہیں تاکہ اسے دیکھ کر اس کے اصول سے آگاہ ہو جائے۔ غرض ان کی کلام کے اقسام، فضیلت کا ایک جزو ہوتے ہیں پس ان سے دعوت تو اسی طریقہ سے ظاہر ہوتی ہے لیکن درسگاہوں کے معلموں کی طرح نہیں ہوتی جو تدریس علم

کے لئے ایک وقت مقرر کر دیتے ہیں اور اسی خاص وقت پر بیٹھ کر ابواب احکام کی تعلیم کے باب میں طہارت یا صلوٰۃ و زکوٰۃ کے مسائل کا دورہ کرتے ہیں اور اسی قسم کے مسائل کو اس مجلس میں خواہ فرضی ہو یا واقعی، مسلسل طور پر شمار کرتے ہیں۔ یہ طریقہ دانش مندوں کا ہے، تربیت کنندوں کی روش نہیں ہے۔ ان کی دعوت کا فائدہ ان کے فیضِ صحبت سے مربوط اور ان کے کلام کا کامل نفع ان کی بہت سی ملازمت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ کتاب کے نکات اور تکلفات کے خطاب ان سے بہت کم ظاہر ہوتے ہیں۔ اُمی ہونے کی نشان ان پر غالب ہوتی ہے اور تسمق و تکلف کا نشان پدید ان کی نظروں میں سادگی پسندیدہ ہوتی ہے اور بے تکلفی سے رغبت رکھتے ہیں۔

نیز یہ بھی جاننا چاہئے کہ ان سے دعوت دو طرح ظاہر ہوتی ہے۔ اول بیانِ حکمت۔ دوم کلامِ موعظت۔ بیانِ حکمت کے یہ معنی ہیں کہ اللہ رب العزت اپنی خاص رحمت سے قوت بیان ان میں اس طرح عنایت فرمادیتا ہے کہ مافی الضمیر کے مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں اور دلائل و براہین سے اس طرح ظاہر کرتے اور مقاصد کی تہ کو تمثیلات و تشبیہات کے طریقہ سے اس طرح روشن کرتے ہیں کہ ان کا مدعا سامعین کی نظر میں یہاں تک ظاہر ہو جاتا ہے کہ معقول معانی محسوس صورت کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں اور اس کی صورت ہو ہو سامعین کے صفحہ خیال پر منقش ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ہر سامع کے تہ دل سے ان کی حقیقت کی گواہی ظاہر ہوتی ہے اور ہر سلیم الوجود کے دل کو ان کے صدق سے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور ہر صاحب عقل کی عقل انہیں پسند کرتی اور ہر صاحب خیال کا خیال ان کی طرف پرواز کرتا ہے۔ اگرچہ بہت سے سامعین اپنی ہٹ دھرمی سے انہیں منظور نہیں کرتے اور تعصب کے سبب سے اپنی زبان سے ان کا اقرار نہیں کرتے۔ لیکن دل میں وہ بھی جانتے ہیں کہ حق انہی کی طرف ہے اور تکبر و تجبر خود ان میں اپنے میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انہوں نے اس کا انکار کیا مگر ان کے دلوں کو یقین تھا کہ ظلم اور تکبر سے انکار کیا ہے۔

لَا وَابِحَاءَ وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا  
وَكِبْرًا (النمل)

کلام موعظت کا بیان یہ ہے کہ اکثر اوقات غفلوں کی بیداری اور جاہلوں کی آگاہی اور پست ہمتوں کی چالاکی کے لئے شوق آمیز اور وجد انگیز کلام، محبت الہی کا بیان، وسعتِ رحمت اور شدتِ غضب کا ذکر یا ان معاملاتِ راز و نیاز کا بیان جو اللہ عزوجل اور اس کے بندوں کے درمیان ہوں، سلف و خلفِ زمانہ کی گردشِ سکہ اور دکھ کے معاملات کی تفصیل اور برزخ و قیامت اور دوزخ و بہشت کے احوال اور ان کی مانند حالات سناتے ہیں تاکہ سامعین کے دل میں اُمتنگ اور جوش پیدا ہو کر اس سے قسوتِ قلبی زائل اور رقتِ قلبی حاصل ہو۔ اگرچہ ایسے کلمات ہر زمانہ میں و اعظیوں کی زبان سے صادر ہوتے ہیں لیکن واعظوں کا مقصد اسی حد تک ہوتا ہے کہ گریہ جہاں سوز و نعرہ ہائے جگر گداز، وجد و اضطراب اور بیخ و تاب کی حالت حاضرین مجلس سے ظاہر ہو اور انبیاء علیہم السلام کا مقصد یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بندگانِ خدا کو احکام رب العزت میں مقام اطاعت و فرمانبرداری کے وسیلہ کا رسوخ پیدا ہو تاکہ ان کے تہذیب و اخلاق اور اصلاح اعمال کا باعث ہو۔ اسے موعظتِ حسنہ کہتے ہیں۔

کبھی کبھی یہ لوگ مقامِ دعوت میں ایک دوسرے طریقہ کو بھی استعمال میں لاتے ہیں اور وہ جہاد ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ کبھی جنگِ دشمن کو عام فہم لطیفہ اور ظریفانہ نکات سے ساکت کرتے اور مورد الزام گردانتے ہیں۔ گو اس سے اصل حقیقت آشکارا نہ ہو جیسا کہ قرآن میں ہے :

اَلَمْ تَرَ الَّذِیْنَ کُذِّبُوا اَلَا نَتٰی اٰیٰتِکَ اِذَا  
قَسَمْنَا ضِیْرٰی (البقرہ)

کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں اور اللہ بیٹیاں۔ یہ بانٹ تو بہت بُری ہے۔

اگرچہ باری تعالیٰ سے اولاد کی نسبت کرنا سراسر باطل اور محال ہے لیکن بہت سے مخالفین اس ذاتِ سبحانہ کے لئے بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور اپنے لئے بیٹیوں کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس لئے اس لطیفہ سے انہیں خطاب کیا گیا۔ اگرچہ اکثر ظریف لوگ ایسے لطیفوں کو اپنے درمیان بکثرت استعمال کرتے ہیں لیکن اس میں ایک قسم کی مضرت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ظریف کو لطیفہ گوئی اور نکتہ سنجی کے وقت دین و ایمان اور رعایتِ ادب

کے طریق کا خیال تک نہیں رہتا۔ بلکہ ہر طریقہ جو مناسب حال دیکھتا ہے بلا تکلف اسے زبان پر لاتا ہے اور اسے اپنا عین کمال جانتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حفاظتِ دین و رعایتِ ادب کے ساتھ ہی دشمنانِ دین کا اسکاٹ کرتے ہیں اور بس۔ اس کو جدالِ حسنہ کہتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام انہی تینوں طریق کے استعمال کے لئے مامور ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ  
الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔  
(النحل)

اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے انہیں بلاؤ۔ اور ان سے احسن طریقہ سے جھگڑا کرو۔

اور بہت سا جدل فی الحقیقت دعوتِ الی الحق سے نہیں ہے۔ لیکن اس کے لواحق اور توابع سے ہے۔ اسی لئے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا اور دعوت کے تحت میں نہیں کیا۔ اور ان ہر سہ طرقِ دعوت کو ایک رشتہ میں نہ پرویا۔ ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَالْجِدَالَ الْحَسَنَ۔ پس اس طریقہ اور گزشتہ دونوں طریقوں کی امتیازِ تجویبی واضح ہو گئی۔

## پنجم۔ سیاست

واضح ہو کہ یہاں سیاست سے مراد اصلاحِ معاش و معادِ بندگان کے قوانین اور امامت و حکومت کے آئین ہیں۔ پس سیاست کا مقصود اپنی حکمرانی اور ان کے لئے معاش اور معاویہ میں نفع رسانی سے لوگوں کی اصلاح ہے نہ کہ اپنے لئے ان کے خدام سے نفع حاصل کرنا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سیاست دو وجہ سے ہے۔ اول سیاستِ مرئیانہ۔ دوم سیاستِ امیرانہ۔ مثلاً کسی شخص کی خواہش ہے کہ ایک لڑکے کو ہنرا اور ادب سکھائے اور اسے ایسا مہذب و مؤدب بنائے کہ اس میں ایسے سپاہیوں کے زمرہ میں داخل ہونے

کی استعداد پیدا ہو جائے جو سخت معاش اور جفاکش ہوتے ہیں اور دشت پیمائی اور  
کوہ نوردی ان کا کام ہوتا ہے اور دور و دراز منازل طے کرنے اور بلند و پست منازل  
بے نان و آب قطع کر جاتے ہیں اور آفتاب کی گرمی کی شدت میں بغیر آرام اور نیند کے  
بسر کر سکتے ہیں۔ ملازمت بادشاہی کی لیاقت رکھتے اور آداب و تعظیم کی بجا آوری کے  
طریقے جانتے ہیں اور سہیت تعظیم یعنی ایک مدت تک سرنگوں اور خاموش و دست  
بستہ کھڑے ہونا) کو خوب سمجھ لے۔ پھر اسے اس کام پر مامور کرتا ہے کہ میرے گھوڑے  
کی خدمت کر اور اس کے لئے چارہ لا اور بوقت حاجت اسے وانہ پانی دے، اسے مالش کر  
اس طریقہ پر اس پر زین رکھ اور یوں لگام دے اور رکاب اتنی دراز کرو وغیرہ۔ اور اسی طرح  
حکم دیتا ہے کہ میرے روبرو تعظیم و تسلیم اس طرح ادا کر اور ایک مدت تک دست بستہ کھڑا رہ  
اور سر کو اونچا نہ کر اور تیز نظر سے مجھے نہ دیکھ اور میرے روبرو سخت کلامی اور یہودہ بات  
مرتا کہ پس جبکہ وہ لڑکا اپنے مربی کے حکم کے مطابق چلیگا تو مربی اسے تحسین و آفرین  
کرے گا۔ ورنہ بصورت دیگر عتاب و نفرین کرے گا اور ہاتھ اور زبان سے تکلیف دے گا اسے  
ان تمام امور سے اس کی تربیت مقصود ہے نہ کہ اپنی ذاتی خدمت لینا۔ لہذا دیگر حاجات کا  
سرانجام جو اس لڑکے کی تربیت سے متعلق نہیں اس کے سپرد نہ کی جائیں گی مثلاً روٹی  
پکانا، کپڑا سینا، مویشیوں کو حراٹا، کتے کی حفاظت وغیرہ ہرگز یہ خدمات اس کے سپرد  
نہ کی جائیں گی اور نہ ان کے سرانجام کی تکلیف دی جائے گی۔ پس میں اس تربیت کو  
سیاستِ مربیانہ کہتا ہوں۔

اگر کوئی شخص کسی کو اپنی خدمت کے لئے نوکر رکھے اور مذکورہ امور یا کسی اور  
خدمت پر اسے مامور کر دے۔ اگر اس نوکر سے کوئی قصور ہو جائے تو اس کو سزا دیتا  
ہے۔ پس جیسا کہ لڑکے کی تادیب صورت اول میں اس قصور و آوارگی کے لئے سبب  
ہوتی ہے۔ اسی طرح دوسری صورت میں اسے سزا دینا اس کے سابقہ ضرر کے انتقام کی  
بنا پر ہے۔ سبب اس کے کہ وہ خدمات میں کوتاہی کرتا ہے۔ اسی طرح رعایا کا بندوبست  
اور انتظام اور مخلوق کی تادیب کی بناء ان کی تربیت پر ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے

معاملات کا انتظام درہم برہم ہو جائے۔ اور وہ بسبب بے انتظامی کے سرگردان و بے سرو سامان ہو جائیں۔

پس جو چیز کہ معاملات معاش کے انتظام یا نجاتِ آخرت کے حصول میں دخل رکھتی ہوگی، امر و نواہی کے خیال سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کی ممانعت میں اس کو سزا دیتے ہیں اور جو چیز کہ ان ہر دو سے تعلق نہ رکھتی ہو اس کی طرف خیال نہیں کرتے۔ اور اپنے حکم کے اظہار کی بنا پر بے فائدہ امور میں لوگوں کو تنگ نہیں کرتے۔ اسی طرح محض اپنی امتیاز کے لئے لوگوں کو لباس اور طعام و کلام میں اپنے ساتھ مشابہ ہونے سے مانع نہیں ہوتے اور اپنی طرح بیٹھنے اٹھنے اور کہنے سننے اور دیگر عادات و معاملات میں بشرطیکہ ان کے حق میں معاش و معاد میں مضر نہ ہو باز نہیں رکھتے۔ اور حتی المقدور تربیت کے ان امور کو جو ہدایت کے طریقہ میں بیان ہو چکے ہیں ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اگر حصول تربیت ہدایت کے طریقہ سے ناکام ہو تو فوراً سیاست کی نوبت پہنچاتے ہیں۔ ان کی سیاست میں ان کی ترغیب زجر و لطف سے ظاہر ہوتی ہے۔ اول آئین سیاست کی تکالیف کو اپنی جان پر گوارا کرتے ہیں۔ بعد ازاں ان کو بجز و اکراہ اس کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہم اسے سیاست ایمانی کہتے ہیں۔

کبھی لوگوں کو محکوم کرنے سے اپنی ذات کے لئے کوئی نفع حاصل کرنے کی غرض سے سیاست ہوتی ہے۔ مثلاً بہت بڑے خزانہ کا جمع کرنا جس سے طعام، لباس اور عمارات اور ہتھیار وغیرہ میں تکلف ظاہر ہو۔ یا ان کی ذات کے لئے شہنشاہی فرمانروائی اور کشور کشائی کا حصول مد نظر ہو یا دشمن ناہنجار کو زیر کر کے واسطے شکر جبار و خونخوار جمع کرنا مقصود ہو یا عزت اور بدبہ کی زیادتی کے لئے اپنے بنی نوع میں محض حصول امتیاز کا خیال ہو۔ وغیرہ۔ پس سیاست افراد انسان سے ان کا مقصود صرف ان کے حال کی اصلاح ہی بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ وہ لوگ اطاعت اور رفاقت اختیار کریں تاکہ ان کی مدد سے اسے اپنے ذاتی اغراض نفسانی حاصل ہوں۔ سو مذکورہ الصدد امور میں اس سیاست کا حال سیاست اول کے برعکس ہے۔

اور ہم اسے سیاست سلطانی کہتے ہیں۔

پس یہاں مقام ذکر کمالات انبیاء علیہم السلام میں وہی سیاست ایمانی مقصود ہے نہ کہ سیاست سلطانی۔ پس میں کہتا ہوں کہ سیاست ایمانی کی دو قسمیں ہیں۔  
 اول بنی آدم کے معاملات معیشت کی اصلاح کا انتظام اور ان کی اجمالی صورتوں کا اہتمام اس کے متعلق ہے۔ اس کو سیاست مدنی کہتا ہوں مثلاً بیع و ثمر و شراکتی معاملات اور قضا و دعویٰ و شہادت وغیرہ کے احکام۔ دوم بناء دین کی پاسداری اور ملت کی خدمت گزاری۔ مثلاً قتال کفار، امانت مبتدعین، الزام جزیہ و خراج یدمہ زمین وغیرہ میں اسے سیاست ملی کہتا ہوں۔ یہ دونوں قسمیں خود دو قسموں پر منقسم ہیں۔ اول یہ کہ بعض افعال میں سیاست جاری ہو کہ فلاں فعل ان سے مطلوب ہے اور فلاں ممنوع۔ اسے میں سیاست افعالی کہتا ہوں۔ دوسری یہ کہ خرچ اموال میں سیاست جاری ہو یعنی اس قدر مال بیت المال میں پہنچانا چاہئے تاکہ بنی آدم کی حاجات اس سے پوری کی جائیں یا دین و ملت کی خدمت گزاری میں صرف ہو۔ اس کو میں سیاست اموالی کہتا ہوں۔

پس گویا سیاست ایمانی کی چار قسمیں ہوں گی: اول سیاست مدنی افعالی۔ دوم سیاست مدنی اموالی۔ سوم سیاست ملی افعالی۔ چہارم سیاست ملی اموالی۔ پس یہاں انہی چار قسموں سے نمونہ ذکر کیا جاتا ہے:

قسم اول ان معاملات کے تعین کے واسطے ہے جو بنی آدم کے مابین جاری ہیں۔ مثلاً نکاح کا تعین مع بیان ارکان و شروط و لوازم مثلاً ایجاب و قبول و حضور شہود اور وجوب مہر وغیرہ۔ اور ایسے ہی طلاق و عناق، نسب و ولادت، حضانت و وراثت، نفقات زوجی الحقوق اور بیع و ثمری، سود و تجارت و شراکت و اجارہ، عاریت مضاربت و مضاربت، قضا و شہادت و دعویٰ اور انکار و اقرار اور قسم اور انکار، شفعہ، جنابات اور غضب و حدود و تعزیرات، بغاوت و فساد وغیرہ کے احکام۔

قسم دوم یہ ہے کہ بیت المال میں مال کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس کا

اتفاق کیونکر؟ مثلاً زکوٰۃ نقد و مال تجارت اور سوائم کالینا اور عشر ارضی کا تعین، اس کی مقدار اور اس کے نصاب کا تعین اور مسارف کے بیان پر مشتمل ہے۔  
 قسم سوم۔ ملت حقہ کی انجیاز سے حفاظت کا طریقہ اور اس کی حمایت اور ملت باطلہ کی اپانت کے طریق اور اس کی بیخ کنی کے بیان میں مثلاً جہاد کرنا، ابطال کفر، رسوم جاہلیت، اقسام بدعت و منہیات و فواحشات اور ظہور فسق اور لہو و لعب وغیرہ کا سد باب کرنا، تعمیر مساجد کی تاکید اور معابد کی ترمیم اور جمعہ و عیدین کی اقامت اور امامان مساجد و مؤذن، قاضیوں اور محتسبوں وغیرہ کے مقرر کرنے پر مشتمل ہے۔

قسم چہارم۔ غنیمتوں کے احکام و تعین خمس و وضع جزیہ و خراج وغیرہ پر مشتمل ہے۔ جبکہ سیاست ایمانی کے اقسام مذکور ہو چکے تو اب سمجھ لینا چاہئے کہ مطلق سیاست ایمانی خواہ اعمال ہوں۔ خواہ سیاست اموالی ہو یا مدنی ہو خواہ ملی۔ پیند سلیقوں کے بغیر تکمیل نہیں پاسکتی۔ یا تو صاحب سیاست ان تمام سلیقوں سے موصوف ہو یا ان تدابیر کے ذرائع کو اپنے حضور میں جمع رکھے اور ان کو اپنے تابع بنائے۔ ہر چند یہ سلیقے بہت سے ہیں لیکن ان کے اصول پانچ ہیں: اول فراست۔ دوم امارت۔ سوم عدالت۔ چہارم حفاظت پنجم نظامت۔

(۱) فراست سے مقصود مردم شناسی ہے کہ قرآنِ عالیہ و مقابلہ اور رفتار و گفتار میں صادق و منافق میں تمیز کر سکے۔ خیر خواہ و بدخواہ، طماع و مخلص، خاشن و امین، پست ہمت اور تنگ حوصلہ و بلند ہمت و فراخ حوصلہ میں امتیاز کر سکے اور ہر ایک کی عقل و دانائی کو اپنے فراست کے ترازو میں وزن کر لے کہ کون آدمی کس خدمت کے لائق اور کون کس منصب کے موافق ہے۔

(۲) امارت سے مقصود لشکر کشی اور دشمن کشی کا سلیقہ، صلح و جنگ کی تدابیر، معرکہ آرائی اور عریبہ پیرائی و مخالف کی شان کو توڑنا ہے خواہ وہ مخالف بہتیت اجتماعی مسلمان ہی ہو۔ مثلاً باغی، فساد می اور رہزن۔ خواہ اس کی ملت کے مخالف ہو مثلاً کفار و لشکر کفار۔ پس بالضرور امیر کو صاحب شجاعت و قدر و دان شجاعت ہونا چاہئے اور خود صاحبِ صولت



وسطوت ہو اور جرأت و استقامت رکھتا ہوتا کہ اپنے ہمراہی بزدل کو دلاور بنائے اور مخالف دلاور کو بزدل بنا سکے۔

(۳) عدالت سے مقصود خصوصیات کے فیصلہ کا سلیقہ ہے جو بنی آدم کے درمیان وقوع پذیر ہوں۔ پس لازم ہے کہ امیر کو خدا شناس اور قانون عدل و انصاف کے تابع ہونا چاہئے۔ غنی و فقیر، رذیل و شریف، قریب و بعید اور دوست و دشمن کی پاسداری نہ کرے بلکہ ان تمام کو انصاف و عدالت کی رو سے ایک نظر سے دیکھے اور اس معاملہ میں ان سب سے پہلو تہی کرے۔ نیز اسے صاحب عقل و فراست ہونا چاہئے کہ نظر سے ہی حق گو اور اور باطل گو کے کلام میں امتیاز کرے۔ راست باز کو سخن ساز سے اور سادہ لوح کو حیلہ باز سے شناخت کر سکے۔ نیز اسے محنت کش اور فراخ حوصلہ ہونا چاہئے نہ کہ نازک طبع و سہیل انگار کہ بسبب تکاسل کے حق جوئی سے رہ جائے اور اہل خصومت کی قیل و قال سے دل تنگ ہو جائے۔

(۴) حفاظت سے مراد فسق و فجور، تعدی و جور اور مفسدین کے فساد و مہجرت اور مبتدعین کی زہد اندازی کے سد باب کا سلیقہ ہے۔ پس محافظ کو دانشور اور دبیر، صاحب حیثیت اسلامی و غیرت ایمانی و خیر خواہ صالحین اور بدخواہ مفسدین ہونا چاہئے تاکہ زنا و شراب خواری، قمار بازی، ندامیر تواری کا مانع اور ان کے رواج کو توڑنے والا ہو۔ اور محافظ طرب و نشاط اور مجالس مزاح و انبساط کو منہدم کرے۔ طلائی و نقرئی عمارات کی ممانعت کرے۔ اور مردوں کو عورتوں و امرؤں کے اختلاط سے باز رکھے۔ طعام و لباس اور رسومات شادی و ماتم کے تکلف و اسراف سے محفوظ رکھے۔ ضعیف مسلمانوں کو متعدد یاں جفاکیش کی ایذا مشاہمت، ست و شتم، قتل و ضرب، چوری، غارت، خیانت اور غصب وغیرہ سے محفوظ رکھے اور بدعات مثلاً قبر پرستی، رسومات جاہلیت، اعمال سحر و طلسم اور نجوم غیر شرعیہ کی تعلیم اور اہل سنت و الجماعہ سے غیر مذاہب کے شیوع و مشتبہ تقاریر سے جیسے ملحد و زندیق لوگ کرتے ہیں تشبیہ بکفار کے اظہار سے مخالفت کرے۔

حفاظت کا منصب فی الحقیقت دو طرح پر ہے۔ اول ظلم و تعدی کا سد باب۔

اس کے صاحب کو تو ال کہتے ہیں۔ دوم فسق و فجور اور بدعات و منکرات کا سد باب۔  
اس کے عامل کو محتسب کہتے ہیں۔

(۵) نظامت سے بیت المال کے مدخل و مخارج کے بندوبست کا سلیقہ مراد ہے۔  
پس ضروری ہے کہ منتظم صاحب عقل اور امین ہو تاکہ تحصیل مال اور اس کے صرف میں مسلمانوں کے  
حال کی اصلاح اور دین کی خدمت گذاری کو مد نظر رکھے نہ کہ صرف اپنی ذات، خویش و  
اقارب اور دوستوں کی منفعت کا ہی خیال رکھے اور حضرت مخالفان و دشمنان کا خیال نہ رکھے۔  
بہر چند سیاست ایمانی کی بحث ایک بے انتہا جنگل اور بے کنارہ دریا ہے۔ لیکن  
یہاں جو کچھ ذکر ہوا وہ اس صحرا کا ایک ذرہ اور اس دریا کا ایک قطرہ ہے جس کسی کا ذہن  
روشن اور فکر رسا ہے اسے ان چند کلمات سے اصل مضمون کی طرف راہنمائی ہو سکتی ہے۔

یہ چند کلمات انبیاء علیہم السلام کے کمال کا ذکر ہے جو تحقیق امامت اور حقیقت امامت  
کی تحقیق میں کام آسکتا ہے۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مذکورہ کمالات کے نام شمار  
کروئے جائیں تاکہ تحقیق حقیقت امامت میں اگر ان کمالات کا ذکر کیا جائے تو ناظرین کو اس  
کے سمجھنے میں کلام طویل سے پریشانی نہ ہو۔ وہ نام یہ ہیں :

کمال اول و جاہت ہے۔ اس کے تین شعبے ہیں : مجبوبیت بہ نسبت رب العالمین۔  
عزت در بلائکہ مقربین۔ سیادت بہ نسبت عباد الصالحین۔

کمال ثانی ولایت ہے۔ اس کے بھی تین شعبے ہیں : معاملات زبانی۔ مقامات روحانی۔  
اخلاق نفسانی۔

معاملات جو یہاں مذکور ہیں یہ ہیں : کلام۔ الہام۔ تعلیم۔ تقسیم۔ حکمت۔  
مقامات جو ذکر کئے گئے وہ یہ ہیں : عبودیت۔ عصمت۔ محبت۔ توکل۔ رضا۔ تسلیم۔ خوف۔  
رجا۔ نحو۔ فنا۔ صبر۔ تسکیر۔ تجرید۔ تفرید۔

اخلاق میں یہ ذکر ہیں : سخاوت۔ شجاعت۔ علوہمتی۔ وسعت حوصلہ۔ استقامت۔  
وفور رحمت و شفقت۔ خیر خواہی۔ دشمنان۔ قدر شناسی۔ دوستیاں۔

تیسرا کمال بعثت ہے۔ اس کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک باطنی۔ ظاہری

صورت تربیتِ خلق اللہ اور باطنی صورت انسانوں کے ساتھ شفقتِ کاملہ ہے۔  
چوتھا کمال ہدایت ہے۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں۔ نزولِ برکت۔ عقدِ ہمت فیض  
صحبت۔ خرقِ عادت۔ اظہارِ دعوت۔

فیض صحبت کا ایک ظاہر ہے اور ایک حقیقت۔ ظاہریت یہ ہے کہ دل میں اتباع  
کی رغبت ہو جو تبوع کا حال دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نور غیبی کا انعکاس  
ہو جو ان کے دل سے ہمنشینوں پر ہوتا ہے۔

اظہارِ دعوت محاوراتِ عرفیہ کے طریقہ پر ہے نہ کہ اصطلاحاتِ کتابی پر۔ دو تو  
اصل ہیں یعنی حکمت۔ کلامِ موعظت اور تیسرا طریقہ ان کے تابع ہے اور وہ فنِ ظرافت اور  
جدل ہے۔ اور جو امور اس کی طرف ہدایت کرتے ہیں وہ تین ہیں :

عقائد۔ احکام۔ اخلاق۔

پانچواں کمال سیاستِ ایمانی ہے۔ اس کی چار قسمیں :

سیاستِ دنیہ اعمالی۔ سیاستِ دنیہ اموالی۔ سیاستِ ملی اعمالی۔ سیاستِ  
ملی اموالی۔ اس کے لئے پانچ طرح کا ملکہ ہونا چاہئے :  
فراست۔ امارت۔ عدالت۔ حفاظت۔ نظامت۔

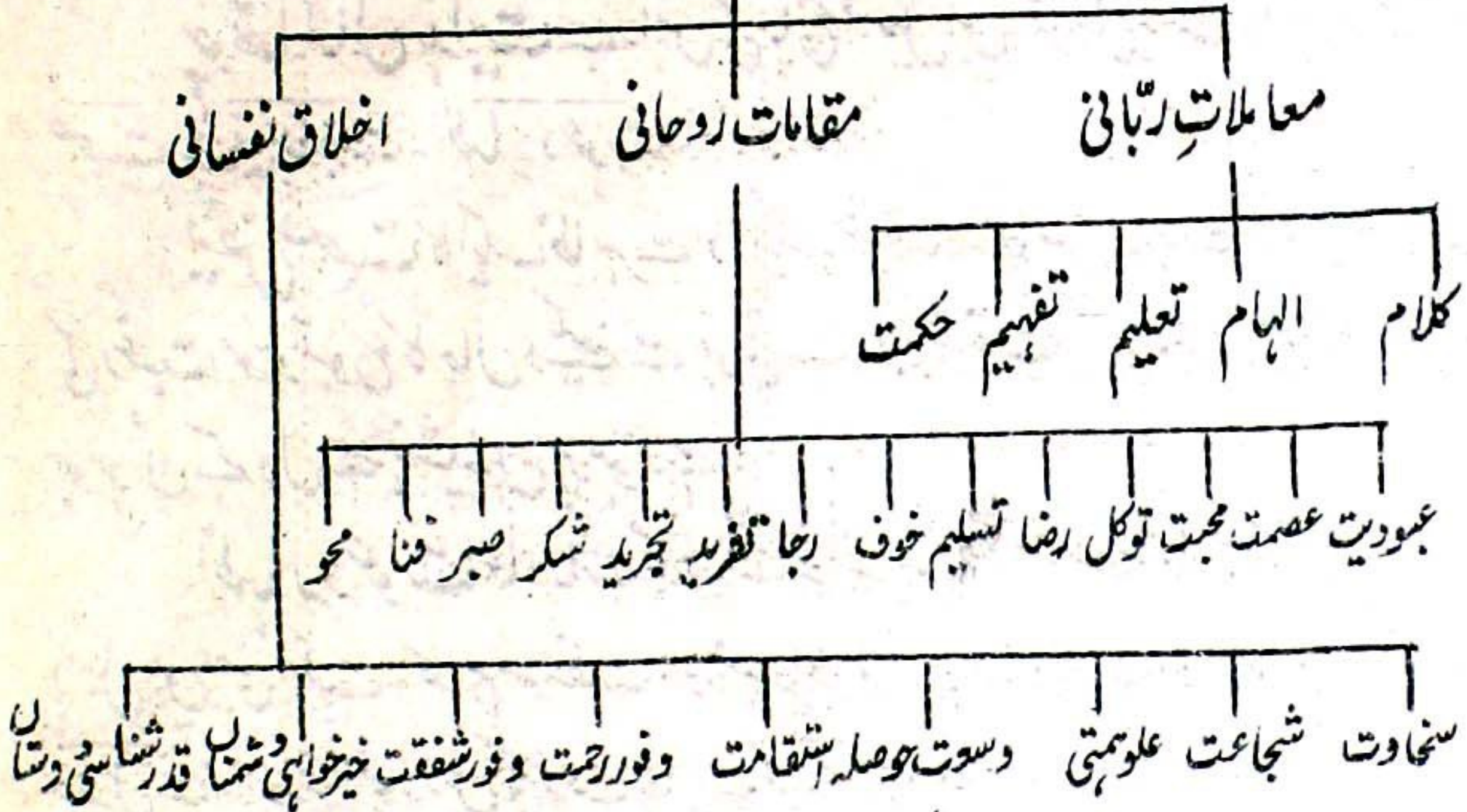
پس کمال اول۔ دوم و سوم اور ان کے شعبے اور لوازمات تو کمالات کے نام سے  
موسوم ہیں۔ چہارم و پنجم اور ان کی اقسام اور طرق کو تکمیل کہا جائے گا۔  
اس توضیح کو شجرات کی صورت میں ذیل میں واضح کیا جاتا ہے۔ (از مترجم)

کمال اول و جاہت



محبوبیت بہ نسبت رب العالمین      عزت و در ملائکہ مقربین      سیادت بہ نسبت عباد الصالحین

## کمال ثانی - ولایت



## کمال سوم - بعثت

اس کی دو صورتیں ہیں: ظاہر و باطن

باطن

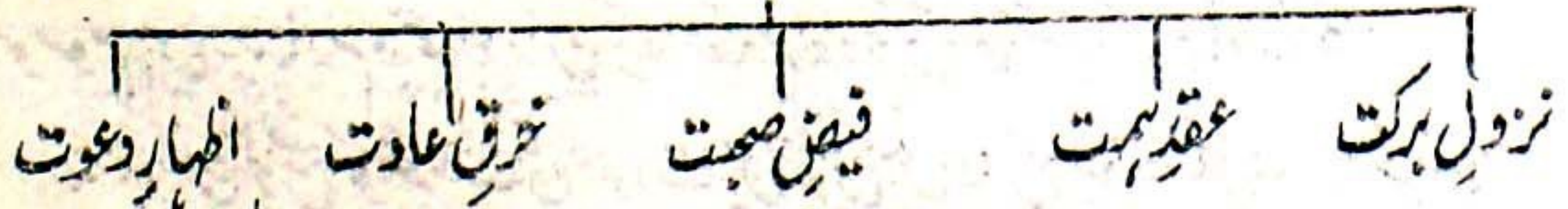
حدوث شفقت کاملہ

ظاہر

تربیت خلق اللہ

نوٹ - مذکورہ ہر سہ کمالات اور ان کے شعبے و لوازمات کمالات کے نام سے موسوم ہیں۔

## کمال چہارم - ہدایت



اصل

حدوث رغبت اتباع و رقب  
انعکاس نور علی نور  
بہ سبب ملاحظہ حال  
ایشان بر دل ہم نشیناں

یہ دو اصل ہیں۔ اور فن طراقت جدول ان کے تابع ہیں عقاید

احکام

اخلاق

## کمال پنجم سیاست ایمانی

سیاستِ مدینہ اعمالی    سیاستِ مدنیہ اموالی    سیاستِ ملیہ اعمالی    سیاستِ ملیہ اموالی  
اس کے لئے پانچ نلکے ہونے چاہئیں

فراست    امارت    عدالت    حفاظت    نظامت  
نوٹ۔ کمال چہارم و پنجم، کمال یکم و دوم اور سوم کی گویا تکمیل یا تتمہ تصور کر لیجئے۔

## فصل

انبیاء کے کمالات سے اولیاء اللہ کی مشابہت

اس بیان میں کہ بعض اکابر اولیاء اللہ مذکورہ ہر پنج کمال میں انبیاء علیہم السلام سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ دو صورتوں پر ہے :

## صورتِ اول

اس میں یہ بیان ہے کہ اگرچہ بعض مقبول بندوں کو منصبِ نبوت حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن مذکورہ بالا کمالات میں سے اپنی استعداد کے موافق بہرہ ور ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ کتاب و سنت کے براہین اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا کمالات سے انبیاء کے علاوہ دیگر مقبولانِ خدا کو بھی حصہ مل سکتا ہے۔ سب آیات و احادیث جو مقبول بندوں کے اوصاف کی وضاحت پر دال ہیں اگر سب کا مفصلاً ذکر کیا جائے اور ہر ایک کمال پر آیت و احادیث سے علیحدہ علیحدہ دلائل پیش کئے جائیں تو ایک کلام طویل ہو جائے۔ اسی بناء پر اجمالاً ان چند کمالات پر اکتفا کیا جاتا ہے جو ان میں سے

بہتر ہیں۔ اور دیگر کمالات کا حال انہی سے سمجھ لیا جاسکتا ہے۔  
 میں کہتا ہوں کہ وجاہتِ اجتیبائی کا ثبوت انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی اس  
 آیت سے ثابت ہے :-

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ  
 اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى  
 نِسَاءِ الْعَالَمِينَ (آل عمران)

جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بیشک اللہ نے  
 تجھے برگزیدہ کیا اور پاک کیا اور تمام جہان کی  
 عورتوں سے تجھے برگزیدہ کیا۔

اور فرمایا :

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا  
 نَبَاتًا حَسَنًا۔ (آل عمران)

اس کے پروردگار نے اسے اچھی صورت میں قبول  
 فرمایا اور اچھی طرح بڑھایا۔

دوسری آیت میں عنایتِ الہی و توجہ کا ذکر ہے جو حضرت مریم کی طرف سن طفولیت  
 میں ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا : ان اللہ اطعم  
 اهل الارض فاختر اباک وبعلاک۔ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا تو تیرے باپ اور  
 خاوند کو پسند فرمایا اور اس کے شعبوں کا ذکر مثلاً ذکر محبوبیت بہ نسبت رب العالمین  
 تفصیلاً ان آیات و احادیث میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنكُمْ  
 عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ  
 وَيُحِبُّونَهُ۔

اس آیت میں حضرت صدیق اکبرؓ اور ان کے متبعین سے مراد ہے جنہوں نے مرتدین  
 سے مقابلہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللھم اتنی باحبب حب خلقک الیک  
 یا کل معی ہذا الطیر فجاؤا علی فاکل معہ۔ اے اللہ میرے پاس اسے لا جو تجھے اپنی  
 خلقت سے زیادہ محبوب ہے۔ وہ میرے ساتھ جانور کھائے۔ پس آئے آپ کے پاس حضرت  
 علیؓ اور مل کر کھایا۔

اور فرمایا : ان اللہ تبارک و تعالیٰ امرنی بحب الاربعة و اخبرنی انہ

محبہم قیل یا رسول اللہ سمعتم لنا قال علی منهم یقول ذلک ثلاثاً و ابو ذر و مقداد  
 و سلمان امرنی بحبہم و اخبیرنی انہ یحبہم۔ (اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کی  
 محبت کا حکم فرمایا اور خبر دی اس نے کہ میں بھی انہیں دوست رکھتا ہوں۔ عرض کیا یا رسول اللہ  
 ہم کو ان کے نام بتائیے۔ فرمایا: علی ان میں سے ہے، یہ تین مرتبہ کہا۔ اور ابو ذر، مقداد اور سلمان۔  
 حکم کیا مجھے ان کی دوستی کا اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ میں بھی انہیں دوست رکھتا ہوں)

اور ملائکہ مقربین میں عزت کا ذکر یہ ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا اور اس پر  
 قائم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور  
 کہتے ہیں) نہ خوف رکھو اور نہ غم کھاؤ بلکہ خوش  
 ہو ساتھ اس جنت کے جس کا تمہیں وعدہ دیا  
 جاتا ہے ہم دنیا و آخرت میں تمہارے  
 دوست ہیں۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ شہداً  
 استقاموا ننزل علیہم الملائکة  
 الا تخافوا ولا تحزنوا و ا بشروا  
 بالجنة التي كنتم توعدون نحن  
 اولياءكم في الحياة الدنيا و في  
 الاخرة۔ (حم سجدہ)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ و ملائکة یصلون علی معلم الناس الخیر۔ نیک بات سکھانے والے  
 پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ  
 سے فرمایا: اذراہم جا السین لذکر اللہ اتی جبریل اخبیرنی ان اللہ یتباہی  
 بکم الملائکة۔ (جس وقت دیکھا ان کو کہ بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ مجھ کو جبریل نے خبر دی ہے  
 کہ اللہ تعالیٰ فخر کرتا ہے فرشتوں میں تمہارے سبب سے) اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 من سلك طریقاً یطلب فیہ علماً سلك اللہ طریقا من طرق الجنة وان الملائکة  
 لتضع اجنتھا رعی لطالب العلم وان العالم لیستغفر لہ من فی السموات  
 و من فی الارض حتی الجنان فی جوف الماء و قال صلی اللہ علیہ وسلم ان  
 احب الناس الی اللہ یوم القیامة و اقربہم مجلساً امام عادل۔ جس نے  
 علم کی طلب میں سفر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی راہ چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا

کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کے رہنے والے علم دوست کے لئے بخشش مانگتے ہیں یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی۔ اور فرمایا رسول خدا نے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں سے محبوب اور درجہ میں قریب تر امام منصف ہوگا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان عبدی اذا ذکرنی فی صلاۃ ذکرتم فی صلاۃ خیر منہ۔ (جب میرا بندہ جماعت میں میری یاد کرتا ہے تو میں اس جماعت سے بہتر جماعت میں اُسے یاد کرتا ہوں)

اور فرمایا: ان اللہ اذا احب عبداً دعا جبریل فقال انی احب فلاناً فاحبہ قال فیحبہ جبریل ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلاناً فاحبوا فیحبہ اهل السماء ثم یوضع له القبول فی الارض۔ (جب اللہ تعالیٰ کسی کو دوست بناتا ہے تو جبریل کو فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی محبت کرو۔ فرمایا آنحضرت نے کہ اُس سے جبریل بھی محبت کرنے لگتا ہے اور پھر جبریل آسمان میں ندا کرتا ہے کہ فلاں بندہ کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے تم بھی اسے دوست رکھو تو سب آسمان والے اُسے دوست رکھتے ہیں پھر زمین میں اس کی مقبولیت ہوتی ہے)

اور فرمایا: اهتز العرش بموت سعد بن معاذ (سعد بن معاذ کی موت سے عرش ہل گیا)

اور فرمایا: العالم یدعی فی السماء عظیماً۔ (عالم آسمان میں بڑا پکارا جاتا ہے) یعنی یاد کیا جاتا ہے۔

سیادت یعنی اللہ رب العزت اور عباد مقبولین کے درمیان وساطت اور فیض غیبی کے حصول اور مقبولیتِ محبت کے انحصار اور ان کے اتباع کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

<p>وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ۔ (النساء)</p>	<p>جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ان لوگوں کے ساتھی ہونگے جن پر اللہ نے انعام کیا۔ یعنی نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں اور نیک بندوں کے ساتھ ہوں گے۔</p>
---	--



اور فرمایا: **الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ**۔ (طور) | جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی پیروی کی ہم ان سے ان کی اولاد ملا دینگے۔  
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کے بارہ میں فرمایا:

لا يحبة الامؤمن ولا يبغضه الا منافق۔ اس سے مومن محبت کرتا ہے اور منافق بغض

رکھتا ہے،

اور دعا کی: **اللهم وال من والاه وعاد من عاداه**۔ (اے اللہ جو اس سے دوستی رکھتا ہے اس سے تو بھی دوستی کر اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اسے دشمن جان)

آن حضرت صلعم نے اور فرمایا: **مثل اهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا و من تخلف عنها هلك**۔ (میرے اہل بیت تمہارے درمیان اس طرح ہیں جیسے نوح کی کشتی جو سوار ہوا نجا گیا اور جو سوار نہ ہوا ہلاک ہوا)

اور فرمایا: **اني تارك فيكم الثقلين ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدى** کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی۔ (میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ جب تک میرے بعد انہیں مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ایک تو کتاب اللہ ہے دوسرے میرے اہل بیت، ولایت کا ذکر اجمالیوں ہے۔ جیسے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

**الْاٰیٰتِ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۗ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۗ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ**۔ اور فرمایا اللہ عزوجل نے:۔  
آگاہ رہو کہ جو اللہ کے دوست ہیں انہیں نہ غم ہے نہ خوف، اور وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرے۔ ان کے لئے دنیا و آخرت میں خوشخبری ہے۔ (یونس)

ان اَوْلِيَاءِ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ (افعال) | اس کے دوست وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں۔

اس کے شعبوں کا ذکر تفصیلاً یہ ہے کہ ان تمام امور میں سے ایک تو الہام ہے اور الہام وہی ہے جو انبیاء سے ثابت ہے اور اس کو وحی کہتے ہیں۔ اور اگر ان کے بغیر کسی اور سے ثابت ہو تو اسے تحدیث کہتے ہیں اور کہیں کتاب اللہ میں مطلق الہام کو وحی کہا گیا ہے۔

خواہ انبیاء سے ثابت ہو خواہ اولیاء سے۔ یہ الہام مطلق کبھی پردہ غیب سے کلام کی صورت میں نازل ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْخَوَارِجِيِّينَ أَنْ آمِنُوا  
بِعِزِّي وَبِرَسُولِي۔ (مائدہ)

جب ہم نے خوارجین پر وحی کی کہ میرے اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

اور فرمایا:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مَرْيَمَ أَنْ أَرْضِعِيهِ  
فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِي فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي  
وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ  
مِنَ الْمُرْسَلِينَ۔ (قصص)

ہم مسمیٰ علیہ السلام کی ماں پر وحی کی کہ اسے دودھ پلا اور جب تجھے کوئی خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر اور نہ رنجیدہ ہو کیونکہ ہم اسے تیرے پاس لوٹا دینگے اور اسے رسول بنائیں گے

اور فرمایا:

قُلْنَا يَا ذَا الْقُرْنَيْنِ اِمَّا اَنْ تَعِدَّ بَا  
وَاِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا۔ (کہف)

ہم نے ذوالقرنین سے کہا کہ تو چاہے سختی کر یا انہیں بہتر طریقہ سے پکڑ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد كان فيمن قبلكم من الامم محدثون وان يلك في امتي احد فانه عمر  
(پہلی امتوں میں محدث ہوتے تھے۔ اور میری امت میں اگر ہوتا تو عمر ہوتا)

اور کبھی ہی الہام بذریعہ فرشتہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ كُنَّا فِي الْبَيْتِ مَتْرُكِينَ إِذْ أَنْتَبَدْنَا  
مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا، فَاتَّخَذَتْ  
مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا، فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا  
فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ  
بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا، قَالَ إِنَّمَا  
أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا  
زَكِيًّا۔ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَفَى

مریمؑ کا قصہ یاد کر جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر شرقی مکان میں گئی تو درمیان پردہ ڈال دیا۔ پھر ہم نے اس کی طرف اپنی روح بھیجی جو اسے آدمی کی مانند نظر آئی تو مریمؑ نے کہا کہ میں تو اللہ سے پناہ مانگتی ہوں خواہ تو پرہیزگار ہی ہو تو اس نے کہا کہ مجھے تو تیرے پروردگار نے بھیجا ہے کہ میں تجھے ایک پاک لڑکا دوں تو مریمؑ نے

کہا کہ میرے ہاں کیونکر لڑکا ہو سکتا ہے مجھے تو کسی  
لئے چھو ابھی نہیں اور میں ناپاک دامن بھی نہیں  
تو فرشتہ نے کہا کہ یونہی ہوگا کیونکہ یہ تیرے پروردگار  
کے آگے آسان ہے اور ہم اسے لوگوں کے لئے  
ایک نشانی بنائیں گے اور ہماری طرف سے ایک

يَمَسِّنِي بَشْرًا لَّكُم بَعْثًا، قَالَ  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلِيٌّ  
هَيِّنٌ وَيَجْعَلُ آيَةً لِلنَّاسِ وَ  
رَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا  
(مریم)

رحمت ہے اور یہ بات نختہ ہے۔

اور فرمایا :

جب فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اللہ نے تجھے پسند  
کیا اور تمام جہان کی عورتوں سے پاک کیا۔ آ  
مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کر اور سجدہ کر اور  
رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ  
اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى  
نِسَاءِ الْعَالَمِينَ، يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ  
وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ۔ (آل عمران)

اور فرمایا :

جب فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اللہ تجھے ایک  
کلمہ کے ساتھ خوش خبری دیتا ہے کہ اس کلام  
مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے۔ دنیا و آخرت میں وہ  
وجیبہ ہے اور مقررین سے ہے۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ  
يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ  
مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ  
الْمُقَرَّبِينَ۔ (آل عمران)

کبھی یہ الہام اس طریقہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے کہ خود بخود صاحب الہام کے  
دل سے کوئی بات جوش مارتی ہے اور وہ اسے زبان پر لاتا ہے۔ اور فی الحقیقت وہ  
کلام رحمانی کلام ہوتی ہے جو اس کی زبان پر جاری ہوئی انسانی کلام نہیں۔ یہ الہام  
کی قسم جب انبیاء سے ظاہر ہوتی ہے اس کو نفث الروح کہتے ہیں۔ جیسا کہ رسول خدا  
صلعم نے فرمایا: إلا ان روح القدس نفث في روعي۔ (آگاہ ہو کہ روح پاک نے  
میرے دل میں پھونکا دیا)

اگر اس کی نسبت اولیاء اللہ سے ہو۔ اسے نطق سکینہ کہتے ہیں جیسا کہ صحابہ

رضی اللہ عنہم ذکر فرماتے ہیں: ما كنا نبعد ان السكينة تنطق على لسان عمر وقلبه۔  
 ہمیں یہ بات بعید نہیں دکھائی دیتی تھی کہ عمر رضی اللہ کی زبان اور دل پر سکینہ جاری ہو، اس  
 طرح کی اور بہت سی مثالی باتیں فاروق اعظمؓ سے مروی ہیں۔

الہام کی اقسام سے ایک خواب بھی ہے کہ مقبول عالی مقام کو حالت خواب میں  
 کسی غیبی امر سے مطلع کیا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لم يبق من النبوة الا  
 المبشرات قالوا وما المبشرات قال الرؤيا الصالحة يريها المؤمن او توحى له۔ ذہبت  
 سے باقی کوئی بات نہیں رہی مگر خوشخبریاں صحابہؓ نے عرض کیا کہ خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا نیک خواب  
 جو مومن دیکھتا ہے۔

اور عمدہ کمالات سے تعلیم غیبی ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

ان سے ان کے نبی نے کہا کہ تمہارے واسطے اللہ نے  
 طالوت کو بادشاہ بنایا ہے انہوں نے کہا کہ وہ ہمارا  
 بادشاہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہم بادشاہی کے اس سے  
 زیادہ حقدار ہیں کیونکہ وہ مالدار بھی نہیں ہے۔ کہا اللہ  
 نے اس کو تم میں سے پسند کیا اور اسے علم اور جسم  
 میں زیادتی دی ہے۔

قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ  
 طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَنَا الْمَلِكُ عَلَيْنَا  
 دَخَنٌ أَوْ أَحَقُّ بِالْمَلِكِ مِنْهُ وَكَمْ يَأْتِي سَعَةً  
 مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَ  
 زَادَهُ بِسَطَةٍ فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔  
 (البقرہ)

اور یہ ظاہر ہے طالوت نبی نہ تھے۔ اور فرمایا:

وہ دونوں میرے ایک بندہ سے ملے کہ ہم نے اسے  
 رحمت اور علم اپنے پاس سے دیا تھا۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ حِكْمَةً  
 مِمَّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ صِدْقًا لِّذُنَا عُلَمَاءَ دَكْنٍ،

اس مقام میں عبد سے مراد حضرت خضرؑ ہیں اور وہ صحیح قول کے مطابق منجملہ انبیاء نہ تھے۔

کمالات مذکورہ سے ایک غیبی تفہیم ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ فکر و نظر میں القائے برکت  
 ہو جو قوتِ نظر کو کشاں کشاں راہِ راست پر لائے اور حقِ مشخص کو پہنچائے۔ جیسا کہ ارشاد  
 باری تعالیٰ ہے:

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَاهُ حُكْمًا | پھر ہم نے سلیمان اور دوسرے سب کو سمجھا دیا

وعلما۔ (انبیاء)

اور اسے علم اور بادشاہی دی۔

اور ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت سلیمان سات برس کے تھے۔ منصب نبوت پر نہ پہنچے تھے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَالَّذِي خَلَقَ الْجَنَّةَ وَبَرَاءَ النِّعْمَةِ مَا عِنْدَنَا

اَلَا هَذَا الْقُرْآنُ۔ (اس ذات کی قسم جس نے جنت اور جان کو پیدا کیا سوائے قرآن شریف کے ہمارے

پاس کچھ اور نہیں ہے)

حضرت علی نے اور فرمایا: بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اليمن

قاضيًا فقلت يا رسول الله ترسلني وانا حديث السن ولا علم لي بالقضاء فقال ان

الله سيهداي قبلك ويثبت لسانك قال علي فما شككت في قضاء بعد۔ (مجھے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو میں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے بھیجتے تو میں مگر میں

کم عمر ہوں اور مجھے فیصلہ جات کا علم نہیں ہے۔ پس فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جلدی تیرا دل کھول دیکھا اور

تیری زبان کو ثابت رکھے گا۔ کہا حضرت علی نے کہا کہ اس کے بعد فیصلہ کرنے میں میں نے شک بھی نہ پایا)

توراة مقدس میں ہے: انه ليس قاض يقضى بالحق الا كان عن يمينه ملك و

عن شماله ملك يسد دانه ويوقانه للحق مادام على الحق فاذا ترك الحق عرجا وقرحاه۔

(کوئی قاضی جب حق فیصلہ کرتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے دائیں اور ایک بائیں طرف ہوتا ہے جو حق کی

مدد کرتے رہتے ہیں جب تک وہ قاضی حق پر رہتا ہے۔ مگر جب وہ قاضی حق کو ترک کر دیتا ہے تو وہ فرشتے

اور چڑھ جاتے ہیں اور اسے چھوڑ دیتے ہیں۔)

ان کمالات میں سے ایک حکمت ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ اِنْ اشْكُرْ لِلّٰهِ | ہم نے لقمان کو حکمت دی کہ اللہ کا شکر کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وانا دار العلم وعلی باجھاد دعی صلی اللہ علیہ

وسلم ابن عباس اللہم علمہ الحکمتہ۔ (میں علم کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لئے دعا کی کہ اے اللہ اس کو حکمت سکھا

ولایت کے عمدہ ترین مقامات سے عبودیت ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اَتَيْنَاهُ | وہ ہمارے ایک بندے سے ملے جسے ہم نے اپنے

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا - (کہف)

پاس سے رحمت دی تھی۔

اور فرمایا:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَشُرُوفُونَ مِمَّنْ كَانَتْ  
مَزَاجُهَا كَافُورًا عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ  
يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا - (الدھر)

نیک لوگ جام نہیں گے کہ اس کا مزاج کافوری  
ہوگا۔ ایک چشمہ ہے کہ جس سے اللہ کے بندے  
پیتے ہیں اور اس سے نالیاں چلتی ہیں۔

یہاں عباد اللہ سے مراد حضرت مرتضیٰ اور حضرت زہرا اور امامین شہیدین ہیں۔ اور

فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى  
الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا  
سَلَامًا، وَالَّذِينَ يُبَيِّتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا أَوْ  
قِيَامًا، وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا  
عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا إِنَّهَا  
سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا، وَالَّذِينَ إِذَا  
أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ  
ذَلِكَ قَوَامًا وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ  
إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ  
اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ  
يَلْقَ أَثَامًا - يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ  
الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا، إِلَّا مَنْ تَابَ  
وَأَمَّنْ وَعَمِلْ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ  
سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا -  
وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى  
اللَّهِ مَتَابًا، وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ

اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے  
چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل جھگڑا کرتے ہیں تو  
کہہ دیتے ہیں کہ السلام علیکم۔ اور اپنے پروردگار  
کے آگے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے  
ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم سے ذبح  
کا عذاب دور کر کیونکہ اس کا عذاب بھاری ہے اور  
وہ بری جگہ ہے اور جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف  
نہیں کرتے اور نہ ہی دل تنگ ہوتے ہیں بلکہ میانہ  
روی سے کرتے ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور  
معبود نہیں بناتے اور جس جان کو اللہ نے حرام کر دیا  
ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ساتھ حق کے۔ اور زنا  
نہیں کرتے اور جس نے ایسا گناہ کیا قیامت کے  
دن انہیں عذاب زیادہ کیا جائے گا اور وہ اس  
میں ہمیشہ رسوا رہے گا مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان  
لے آیا اور نیک عمل کئے ان لوگوں کی برائیوں  
کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیگا کیونکہ وہ غفور

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا - وَالَّذِينَ إِذْ أَذْكُرُوا بآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَمَجِرُوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا، وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا ذُرِّيَّتَنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا، أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا، خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا -

(فرقان)

رحیم ہے جس نے توبہ کی اور نیک عمل کئے بس وہ اللہ کی طرف پھر جائیگا رجوع کے ساتھ۔ اور وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اور جب کسی بیوہ جگہ سے گذرتے ہیں تو بزرگوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ اور جب ان کو اللہ کی آیات سنائی جائیں تو اندھے اور بہرے نہیں ہو جاتے اور وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارے بیوی بچوں سے آنکھوں میں ٹھنڈک دے اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ ان کو بدلہ دیا

جائیگا مکانوں کے جھروکے بسبب ان کے صبر کے اور ملیں گے وہاں ان سے دعا و سلام کہتے ہوئے اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھیرنے اور استقامت کی اچھی جگہ ہے۔

مقاماتِ ولایت میں سے ایک مقامِ عظیمِ عصمت ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ عصمت کی حقیقت حفاظتِ غیبی ہے جو معصوم کے تمام اقوال و افعال، اخلاق، احوال، اعتقادات اور مقامات کو راہِ حق کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور حق سے روگردانی کرنے سے مانع ہوتی ہے۔ یہی حفاظت جب انبیاء سے متعلق ہو اس کو عصمت کہتے ہیں اور اگر کسی دوسرے کامل سے متعلق ہو تو اسے حفظ کہتے ہیں۔ پس عصمت اور حفظ حقیقت میں ایک ہی چیز ہے لیکن ادب کے لحاظ سے عصمت کا اطلاق اولیاء اللہ پر نہیں کرتے۔

حاصل یہ کہ اس مقام میں مقصود یہ ہے کہ یہ حفاظتِ غیبی جیسا کہ انبیاء کرام کے متعلق ہے ایسا ہی ان کے بعض اکابر متبعین کے متعلق ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ | میرے بندوں پر تو غلبہ نہ پاسکے گا ان کے لئے  
وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا - (بنی اسرائیل) | تیرا پروردگار کافی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حفاظتِ غیبی کا تعلق کمالِ عبودیت کا ثمرہ ہے۔ خواہ انبیاء میں

پایا جائے خواہ ان کے پیروؤں میں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا مگر جس وقت تمنا کی گئی۔ پھر شیطان نے ان کی تمناؤں میں وسوسہ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی افشاء باتوں کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو محکم کرتا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ - (حج)

ابن عباسؓ کی قرأت میں یہ آیت اس طرح مروی ہے:

تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نبی اور محدث نہیں بھیجا گیا مگر جبکہ تمنا کی گئی شیطان نے ان کی خواہش میں وسوسہ ڈالا پھر اللہ نے شیطان کی بات کو مٹا دیا اور پھر اپنی آیتوں کو محکم کیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ وَلَا مُحَدَّثٍ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ -

پس عصمت کے جو معنی اس آیت سے نکلتے ہیں جیسا کہ رسولوں اور نبیوں سے ثابت ہوا اسی طرح محدثین سے بھی ثابت ہوا۔ اگرچہ ابن عباسؓ کی روایت متواترہ سے نہیں ہے لیکن غیر متواترہ قرأت اثبات حکم میں بمنزلہ مشہور خبر کے ہے۔ پس غیر متواترہ اول متواترہ میں امتیاز تلاوت میں ہے نہ کہ اثبات حکم میں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے حق میں دعا کی: اللّٰهُمَّ اِجْرِ الْحَقِّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ۔ اے اللہ جس جگہ علیؓ رہے جائے اس کے ساتھ حق جاری رکھ۔

اور فرمایا: القرآن مع علیؓ وعلیؓ مع القرآن۔ (قرآن علیؓ کے ساتھ ہے اور علیؓ قرآن کے ساتھ)

اور فرمایا: اِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ كِتَابِ اللَّهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى تَرُدَّ أَعْلَى الْحَوْضِ۔ (میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک تو کتاب اللہ ہے اور دوسری میرے اہل بیت اور یہ دونوں تم سے جدا نہ ہونگے حتیٰ کہ حوض کوثر پر آئیں گے) اور فرمایا: الْحَقُّ يَنْطِقُ عَلَى لِسَانِ عَمْرٍ وَوَقَلْبِهِ۔ (عمرؓ کی زبان اور دل پر حق جاری

رہتا ہے)



اور فرمایا: نعم المرء صہیب لولم يخف الله لولم يعصه۔ صہیب اچھا آدمی ہے  
اگر اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور اس سے ڈرے

جملہ مقامات میں سے ایک ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لو مروا  
ابا بکر مجلد و لا امینا زاهد فی الدنیا راغب فی الاخرة۔ (ابو بکرؓ کو حکم بناؤ گے تو  
اسے دنیا میں امین اور زاهد اور آخرت کا راغب پاؤ گے)

اور فرمایا: من احب ان ينظر عیسیٰ بن مریم فی زهدہ فلا یلینظر الی ابي  
الدار دعا۔ (جو اس بات کی خواہش کرے کہ عیسیٰ بن مریم کو اس کے زہد میں دیکھے تو وہ ابو دردا  
کو دیکھے)

ان مقامات میں سے ایک تفرید ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
سیر و اسبق المفردون قالوا وما المفردون یا رسول قال الذین وضع الذکر  
عنہم اتقوا لهم۔ (پھر و اور دیکھو کہ مفردون سبقت لے گئے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ مفرد کون  
ہیں؟ فرمایا وہ لوگ ہیں جن سے اللہ کے ذکر نے (دنیا کے) بوجھ دور کر دئے)

ذکورہ کمالات میں سے ایک مقام توکل ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: سیدنا حل  
من امتی الجنة سبعون الفا بغیر حساب و جوہم کالقبر لیلۃ البدن ہم الذین لا  
یستقون ولا یتطیرون ولا یکتون و علی ریح یتوکلون۔ فقام عکاشۃ فقال یا  
رسول اللہ ادع اللہ ان يجعلنی منہم قال انت منہم۔ (میری امت کے ستر ہزار  
آدمی بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ ان کے منہ چودھویں رات کے چاند جلیبے ہونگے۔ وہ لوگ  
وہ ہیں جو جھاڑ پھونک کر اٹھیں گے اور نہ جانوروں سے فال لیں گے اور نہ داغ لگائیں گے بلکہ اپنے  
پروردگار پر ہی بھروسہ رکھیں گے۔ اس پر حضرت عکاشہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول  
اللہ میرے واسطے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے لوگوں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا تو انہیں  
میں سے ہے)

ایک مقام محو و فنا ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عن ربہ تبارک  
و تعالیٰ لا یزال یتقرب الی عبدی بالنوافل حتی احببہ کنت سمعہ الذی لیس مع

بِهِ وَبَصِيرَةَ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّذِي يَبْطِشُ بِهَا وَرَجُلَهُ الَّذِي يَمْشِي بِهَا وَلَدُنَّ  
سَأَلَنِي لِأَعْطَيْتَهُ وَلَدُنَّ اسْتَغَاذَنِي لِأَعِيدْتَهُ - (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل سے  
میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے۔ تو پھر میں اس کے کان ہو جاتا ہوں  
جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا  
ہوں جن سے وہ چھوتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اگر مجھ سے کچھ مانگے تو  
میں دیتا ہوں اور اگر مجھ سے پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہوں)

ایک کمال تہذیب اخلاق ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب کو  
فرمایا: اشبھت خلقتی وخلقی۔ (تو میری صورت و سیرت میں مشابہت رکھتا ہے) اور  
آپ نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی نسبت خبر دی کہ: انه يشبهني خلقتي و  
يشبهني خلقتي۔ (بے شک وہ میری سیرت میں میرے مشابہ ہوگا مگر صورت میں مشابہ نہ ہوگا)  
ان کمالات میں سے ایک مقام بعثت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ | ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں سے  
وَلَعَنَّا مِنْهُمْ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا۔ | بارہ نقیب مقرر کر دیئے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ نقیب نبی نہ تھے۔ اور فرمایا:

اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ اثْنَيْنِ فَلَوْ بُوْهُمَا  
فَعَزَّزْنَا بِتَالُوتِ فَقَالُوْا اِنَّا لَآلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ -  
قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا اَنْزَلْنَا الرَّحْمٰنُ  
مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَلُوْدٌ لِّبُوْنٍ قَالُوْا رَبُّنَا  
يَعْلَمُ اِنَّا لَآلَيْكُمْ لِمُرْسَلُوْنَ، وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا  
الْبَلَاغُ -  
رئیس،

جب ان کے پاس دو پیغمبر بھیجے تو انہوں نے ان کو  
جھٹلایا۔ پھر ہم نے تیسرے سے قوت دی۔ انہوں  
نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تو وہ بولے  
کہ تم تو ہماری طرح انسان ہی ہو، رحمن نے کچھ  
نہیں اتارا، تم جھوٹ کہتے ہو تو انہوں نے کہا کہ  
ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے  
گئے ہیں اور ہم کو صرف پہنچانے کا حکم ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریں میں سے تھے نہ کہ نبی۔ اور

فرمایا:

ان کے نبی نے ان کو کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارا  
بادشاہ بنایا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ  
لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا۔ (البقرہ)

اور فرمایا:

ہم نے ان سے امام بنائے جو ہمارے حکم کی ہدایت  
دیتے ہیں۔ جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں  
پر یقین کیا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً مُّهْتَدٍ وَنَا بِأَمْرِنَا  
لَمَّا صَبَرُوا وَوَكَّلْنَا بِآيَاتِنَا يُوْقِنُونَ۔

(السجده)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان اللہ یبعث لهذا الامۃ علی رأس کل

ماۃ سنتہ من یجد ولہا دینہا۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس امت پر ہر صدی کے شروع میں ایک  
ایسا شخص پیدا کرے گا جو دین میں درستی کرے

ایسا ہی کمالات مذکورہ سے ایک مقام ہدایت ہے۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے۔ ان

تؤمر و اعلیاء ولا اراکم فاعلیوں تہدوہ ہادیامہدیاً یاخذ بکم الصراط المستقیم۔ اگر  
تم علی کو امیر بناؤ گے۔ میں نہیں دیکھتا کہ تم بناؤ گے، (اگر بناؤ گے) تو ہادی اور مہدی پاؤ گے جو تمہارے  
ساتھ سیدھی راہ پکڑے گا۔

اقسام ہدایت سے ایک نزول برکت ہے۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے: فی الشام

ان فیھا ابدال الایم میطراہل الارض و بہم یرزقون و بہم ینصرون من اعدائہم۔  
(ملک شام میں ابدال ہیں۔ انہی کی برکت سے زمین والوں پر بارش ہوتی ہے اور انہی کے سبب رزق  
دئے جاتے ہیں اور انہیں کے سبب دشمنوں پر فتح پاتے ہیں۔)

عقد ہمت کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

جو لوگ کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے! ہمیں اپنے  
بیوی بچوں سے آنکھوں میں ٹھنڈک دے اور  
ہمیں نیکیوں کا پیشرو بنا۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ  
أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَجَعَلْنَا  
لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ (فرقان)

اور فرمایا:

جب جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کی عمر ہوئی

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ اَشَدَّهُ وَتَبَلَغَ اَرْبَعِينَ

سَنَّةٌ قَالَ رَبِّ أَوْرَعِنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ  
الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ  
صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي دِينِي وَإِنِّي تَوَكَّلْتُ  
عَلَىٰ رَبِّي وَاللَّهِ أَعْلَمُ -

(احقاف)

تو کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری  
ان نعمتوں کا شکر کروں جو تو نے مجھے اور میرے  
والدین کو عطا کیں اور کہ میں نیک عمل کروں جن سے  
تو راضی ہو اور میری اور میری اولاد کی اصلاح کر  
میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمان ہوں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارحم امتی باہمتی ابو بکرہ (میری امت پر سب سے زیادہ  
رحم کرنے والا ابو بکرہ ہے) یعنی دوسروں کی نسبت بہت زیادہ شفقت کرتا ہے اور ان کی اصلاح  
کے لئے تہ دل سے کوشش کرتا ہے۔

فیض صحبت کا بیان - اللہ عزوجل فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا  
مَعَ الصَّادِقِينَ - (توبہ)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے  
ساتھ ملحق رہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فی الذین یجلسون لذلک واللہ، ہم القوم لا  
یشقی اہم جلسہم - (جو لوگ اللہ کے ذکر میں بیٹھے ہیں وہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے ہم صحبت بے بہرہ  
نہیں رہتے)

اور فرمایا: ان نیار عباد اللہ الذین اذاروا ذکر اللہ - (اللہ کے نیک بندے  
وہ ہیں کہ انہیں دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے)  
اور فرمایا:

مثل المجلس الصالح والسوء كحامل المسك ونافخ الكبر فحامل المسك اما ان  
یهدیک واما ان یتباعد منه واما ان تجدریحاً طیبہ ونافخ الکبر اما ان یحرق ثیابک  
واما ان تجدمنه ریحاً خبیثہ - (اچھے ہم صحبت اور برے ہم صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے کستوری  
والا اور لوہار کستوری والا یا تو تجھے خود اس کا تحفہ دیگا یا تو خود خریدیگا۔ اگر ایسا بھی نہ ہو تو تجھے خوشبو  
تو ضرور آئے گی اور بھٹی والا لوہار اول تو تیرے کپڑے جلاتے گا، اگر کپڑے تو نے بچائے تو بدبو تو  
ضرور آئے گی)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: لمجلس من عمر خیر من عبادة سنة۔ (حضرت عمرؓ

کی ایک صحبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے)

خرق عادت بیان کی محتاج نہیں۔ کیونکہ ہادیانِ راہِ حق جو انبیاء علیہم السلام کے

شیخ ہیں ان سے خوارق عادت کا ظہور اکثر مشہور ہے اور متواتر ہوتا ہے۔ لہذا بیان کی حاجت نہیں۔

اظہار دعوتِ ارشادِ خداوندی ہے کہ

تم بہترین امت ہو کہ لوگوں کو نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (آل عمران)

اور فرمایا:

تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔

وَتَلْكَنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران)

ارشادِ نبویؐ ہے کہ: ان اللہ وصلاتکۃ یصلون علی معلوم الناس الخیر۔

(اللہ اور اس کے فرشتے بھلائی کے بتانے والے پر رحمت بھیجتے ہیں)

اور فرمایا: من دعی الی الہدی کان لہ اجرہ واجر من عمل علیہ من غیر

ان ینقص من اجورہم شیئاً۔ (جو لوگوں کو ہدایت کی طرف بلائے تو اسے اس کا ثواب ملتا ہے اور جو کوئی اس پر عمل کرے تو اس کے برابر ثواب ہادی کو بھی ملتا ہے اور سن کر عمل کرنے والے کے ثواب سے کچھ گھٹتا نہیں)

اور فرمایا: انما العلماء وراثۃ الانبیاء۔ (علماء نبیوں کے وارث ہیں)

مذکورہ کمالات میں سے ایک سیاست ایمانی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

ہم نے توراہ نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے اور اس میں سے انبیاء حکم کرتے ہیں ان لوگوں

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ

ہا دوا والربا نیون والاجبار۔

(ماثہ)

جو مسلمان ہوئے یا یہودی ہوئے اور اللہ کے بندوں اور عالموں کو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تكون النبوة فيكم ما شاء الله ان تكون ثم يرفعها الله تعالى ثم يكون ملكا عاضا فيكون ما شاء الله ان يكون ثم يرفعها الله تعالى ثم يكون خلاقا على منهاج نبوة ثم سكت۔ (تم میں نبوت رہیگی جب تک اللہ چاہے گا پھر اٹھالیگا اس کو اللہ۔ پھر خلافت ہوگی نبوت کے طریقہ پر جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اٹھالیگا۔ پھر مضبوط بادشاہت ہوگی اور جب تک اللہ چاہے گا رہیگی پھر اٹھالے گا اس کو بھی اللہ پھر زبردست شہنشاہت ہوگی۔ جب تک اللہ چاہے گا رہیگی۔ پھر اٹھالیگا۔ پھر خلافت ہوگی نبوت کے طریقہ پر۔ پھر آپ چپ ہو گئے)

مناصب سیاست ایمانی سے ایک کمال فراست ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: انقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله تعالى۔ (مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور کے ذریعہ دیکھتا ہے)

اور ایک کمال امارت ہے۔ اسامہ بن زید کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان كنتم تطعون في امارت فقد كنتم تطعون في امارت ابيه من قبل وایم اللہ ان کان لخلق اللامارة۔ (اگر تم اس کے امیر ہونے پر طعن کرتے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر بھی طعن کرتے تھے۔ واللہ اوہ امارت کے لائق تھا۔)

ایک منصب ہدایت بھی ہے۔ جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اقضیٰ ہم علی (الحديث) (اچھا فیصلہ کرنے والا علیؑ ہے)

ایک منصب حفاظت ہے۔ اس کے دو شعبے ہیں۔ پہلا انتظام امت کہ اس کے صاحب کو کو تو ال کہتے ہیں۔ دوسرا مفاہد دین کا سد باب ہے۔ اس خدمت کے صاحب کو محتسب کہتے ہیں۔

اول کا بیان ہے۔ فقد روی کان قلیس ابن سعد عن النبی صلعم بمنزلة

صاحب الشرط من الامیر روایت کیا گیا ہے کہ قیس بن سعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بمنزلہ صاحب شرط امیر کے تھے اور صاحب شرط عسس (کو توال) کو کہتے ہیں۔

دوسرے کا بیان یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: رضیت لامتی ما رضی بھا ابن امر عبد۔ (میں امت سے راضی ہوں جس طرح ابن ام عبد راضی ہوا) اس ام عبد سے مراد عبد اللہ بن مسعود ہیں۔

ایک منصب نظامت ہے کہ اسے امانت بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کی نسبت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: لكل أمة أمين وامين هذا الأمة ابو عبیدہ ابن الجراح۔ (ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح ہے) اس بیان میں جو ذکر کیا گیا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ مذکورہ الصدور کمالات جیسے کہ انبیاء علیہم السلام کی ذات میں پائے جاتے ہیں اسی طرح ان کے متبعین کو بھی ان سے بہرہ حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ مذکورہ کمالات کا بیان یہاں تفصیل سے بیان نہیں کیا جاسکا اور جو ہوا اس کے دلائل پورے طور پر کتاب و سنت سے بیان نہیں ہوئے بلکہ جو کمالات کہ عمدہ ترین تھے انہیں یہاں بیان کر دیا گیا ہے اور شواہد و دلائل قلیلہ کتاب و سنت پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ طالبان حق کے افادہ کے لئے نمونہ کام آسکیں۔ ہاں جو کوئی ذہن رسا اور فکر صائب رکھتا ہے وہ انہی سے ان کمالات کو سمجھ لے گا جن کا ذکر یہاں نہیں ہو سکا۔ اور انہی تھوڑے دلائل سے پورے دلائل پر عبور پاسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب من اراد مستقیم۔

## صورت دوم

یہاں انبیاء علیہم السلام کے مذکورہ الصدور کمالات و درجات میں اولیاء اللہ کی مشابہت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اگرچہ مذکورہ مراتب عالیہ انبیاء علیہم السلام کی ذات سے مخصوص ہیں۔ لیکن ہر ایک کمال کا اصل اور تخم ہر صحیح الاعتقاد مومن اور قوی الانقیاد مسلم میں پایا جاتا

ہے۔ مثلاً ہر مومن صادق کو رب العالمین کے حضور اور ملائکہ مقررین کے مجمع میں ایک قسم کی وجاہت حاصل ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ  
يَسْبُحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ  
وَلَيْسَتَعَفْوَةٌ  
لِلَّذِينَ آمَنُوا۔  
(مومن)

جو کہ عرش کو اور اسکے گرد کی اشیاء کو اٹھائے  
ہوئے ہیں وہ اللہ کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے  
ہیں اور یقین رکھتے ہیں اور مومنین کے لئے  
استغفار کرتے ہیں۔

اس طرح مومن مخلص کے لئے ولایت سے بھی ایک قسم ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن

میں ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا  
يَتَّقُونَ۔ (یونس)

بے شک اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ خوف ہے  
نہ غم۔ وہ لوگ وہ ہیں جو کہ اللہ پر ایمان لائے  
اور وہ متقی تھے۔

جیسا کہ اصل ولایت کی ایک قسم کا ثبوت ہر مومن کے لئے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے  
ایسا ہی اس کے شعب و فروع کے اقسام بھی ہر مومن کے لئے آیات و احادیث سے  
ظاہر ہوتے ہیں مثلاً ان میں ایک الہام ہے اور ایک فرشتہ ملہم خیر ہر مومن کے ساتھ  
رہتا ہے اور وہ مومن اکثر اقوال میں اس فرشتہ کے الہامات کے تابع ہے اور اسی طرح  
نیند میں بھی رؤیا کے طریقہ سے تعلیم و تفہیم حاصل ہوتی ہے۔

اور کسی قدر توکل بھی لوازم ایمان سے ہے جس سے انسان اسبابِ شرک و محرمات  
شرعیہ کی طرف راغب نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْ الْمُؤْمِنُونَ (مائدہ) | مومنین کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل رکھنا چاہئے

اسی طرح نہ بد بھی ارکانِ اسلام سے ہے جس سے مستلذاتِ ممنوعہ شرعیہ ترک  
ہوتی ہیں۔ اسی طرح سے حفاظتِ غیبی بھی ہر مومن کے لئے مستحق ہے جو بذریعہ فرشتہ  
ملہم خیر یا بذریعہ وعظا اور ہادیانِ راہِ حق کے اذکار سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی  
ایک منصبِ بعثت اور ہدایت ہے جس کا ادنیٰ درجہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے



فرائض ہیں۔ یہ بھی ہر مومن کو حاصل ہے۔ اسی طرح سیاست ایمانی میں شریک ہونا مثلاً جہاد جو بصورت اذن عام ہو، کی اقامت میں شرکت یا غلبہ کفار کے وقت ہر مسلمان کے ذمہ واجب ہے۔

فی الحقیقت یہ تمام کمالات انہی کمالات کے لوازمات سے ہیں جس قدر کہ ایمان کامل تر ہوگا اسی قدر یہ کمالات قوی تر ہونگے۔ گویا ہر کمال کا انہی کمالات سے ایک سلسلہ منسلک ہے جس کی ابتدا نفس ایمان سے ظاہر ہوتی ہے اور تفاوت ایمان کے اعتبار سے ان کمالات کے مراتب میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مرتبہ نبوت تک ان کی انتہا ہے۔ کیونکہ ہر کمال مقام نبوت میں اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے پس لامحالہ اگر مراتب کے سلسلہ میں ہر کمال کے ادنیٰ درجہ کا انبیاء کے اعلیٰ درجہ کے کمال سے مقابلہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ یہ بھی ایک مرتبہ ہے جو کمال انبیاء کے متصل واقع اور اس سے ضعیف ہے مگر دیگر تمام مراتب سے قوی ہے۔ میں ہرگز انبیاء کے کمال کے مراتب کو دوسروں کے مراتب کے سلسلہ میں شمار نہیں کرتا۔ کیونکہ انبیاء کرام اور ہیں اور دوسرے عوام اور۔ لہذا اس مرتبہ کمال کو جو انبیاء کے مرتبہ کمال کے متصل ہے مذکورہ کمالات کے سلسلہ کا انتہائی نچلا درجہ تصور کریں۔ یعنی انبیاء کے کمال کو درجہ اول میں رکھیں اور اس مرتبہ کو دوسرے درجہ پر۔

یہ بھی یاد رکھو کہ ہر کمال کے مراتب میں قوت و ضعفاً جو تفاوت ہے اس کو ان اشیاء کے اختلاف کے مشابہ جاننا چاہئے جو ایک سلک میں منسلک ہوں۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ دو چیزوں میں دو طرح سے اختلاف واقع ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ ان ہر دو سے ایک چیز ذات، آثار اور احکام میں دوسری کی نسبت امتیاز ظاہری رکھے جیسا کہ لکڑی اور پتھر، انسان اور حیوان، اسب اور گائے، شیر اور بکری وغیرہ میں اختلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک چیز دوسری سے امتیاز کلی نہ رکھے اور نہ ان کے درمیان ذاتی اختلاف ہو۔ بلکہ ہر دو ایک ہی رشتہ میں پیوند ہوں اور ایک ہی محدود جنس سے ہوں۔ اختلاف فقط کمال یا نقص کے اعتبار سے ہو اور بس۔ مثلاً حرارت کے مراتب کا اختلاف۔

کہ حرارت قوی یا ضعیف، ہر دو از قسم حرارت ہی ہیں اور جنس واحد ہیں اگرچہ شدت یا ضعف کے اعتبار سے فرق رکھتی ہوں۔ اسی طرح برودت، نور، ظلمت اور رنگ کے مراتب میں ضعف یا قوت کے لحاظ سے اختلاف ہے۔ نیز شیرینی و نمکینی، تلخی اور شوریت وغیرہ میں بھی اسی طرح اختلاف ہے۔

پس اول الذکر اختلاف میں لازم ہے کہ اشتباہ کی گنجائش نہیں۔ مثلاً لکڑی اور پتھر میں کسی طرح کی مشابہت نہیں ہے اور اسپ و خر میں بھی ہرگز اشتباہ نہیں ہے۔ برخلاف مؤخر الذکر کے اختلاف کے۔ اگرچہ اس قسم کے بعض مقامات میں اشتباہ کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن بعض مقامات میں شدید اشتباہ ہوتا ہے۔ کہ اس کا امتیاز دقیق نظر سے بھی مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً اگرچہ قند سیاہ و سفید کی حلاوت میں ہرگز اشتباہ نہیں لیکن شکر سفید مصفی اور قند سفید کی حلاوت میں ایک حد تک التباس واقع ہے خصوصاً جبکہ کاریگر باورچی یا ایک مصفی چاولوں کو اس میں پکائے تو اس کا امتیاز وقت نظر سے بھی نہیں ہو سکتا۔

یہاں اصل مطلب یہ ہے کہ جب مختلف مراتب کے سلسلہ سے ایک چیز کو دیکھیں اور اس کے ادنیٰ درجہ کو اعلیٰ سے قیاس کریں تو ان کے درمیان امتیاز ظاہر ہوگا اور اگر ایک مرتبہ کا دوسرے مرتبہ سے جو اس کے قریب واقع ہے مقابلہ کریں تو ان کے درمیان تمیز کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہوگا۔ اور یہ معنی ہر عقل سلیم پر خوب ظاہر ہیں۔ پس یاد رکھو کہ کمالات مذکورہ کے مراتب کا اختلاف اختلاف ثانوی سے ہے نہ کہ اختلاف اول کی جنس سے۔ کیونکہ مجتہدین کی محبت کے مراتب کا اختلاف اور متوکلین کے توکل، اہل سخاوت کی سخاوت، مشفقین کی شفقت، متبرسکین کی برکت اور متفرسین کی فراست کے مراتب کا اختلاف، اختلاف مراتب اور اقسام بو و رنگ کی جنس سے ہے نہ کہ چوب و سنگ کے اختلاف کی مانند۔ پس اگر ادنیٰ درجہ کے مومن کے توکل کا انبیاء کے توکل سے مقابلہ کریں تو ان پر دو میں کسی قسم کی مماثلت نہ پائی جائے گی۔ اور اگر زید کے توکل کا عمرو کے توکل سے مقابلہ کریں جو کہ باہم توکل کے معنوں میں متقارب ہیں تو اگرچہ ایک دوسرے کی

نسبت نفس الامر میں ایک قسم کی قوت ہے لیکن ظاہر نظر میں امتیاز نہ ہو سکیگا۔  
پس واضح ہو کہ ہر کمال کا مرتبہ جو انبیاء اللہ سے ثابت ہے اگر اسی کمال کے مرتبہ  
کا جو ادنیٰ مومن میں واقع ہو مقابلاً کریں تو کوئی مشابہت ان ہر دو کے مراتب کے درمیان  
نہ پائی جائے گی لیکن اگر ان کے مرتبہ کا اس مرتبہ کے ساتھ قیاس کریں جو ان کے مرتبہ کے  
متصل واقع ہے تو ایک قسم کی معنوی مماثلت ظاہر ہوگی جس کی حقیقت کو سوائے علام  
الغیوب کے کوئی نہیں پہنچ سکتا جو کہ نفس الامر میں باہم متحقق ہے اور اسی مماثلت کو  
مشابہت کہتے ہیں۔ پس جو کوئی مذکورہ کمالات کے مرتبہ میں مرتبہ ثانیہ سے منصف  
ہو تو وہی ان کمالات میں انبیاء کے کمال سے مشابہ ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا:

علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔ | میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہیں  
نیز آپ نے جعفر بن ابی طالب کی نسبت فرمایا: اشبهت خلقی وخلقى۔ (تو میری  
سیرت اور صورت میں مشابہ ہے)۔

اور ہمدی علیہ السلام کی نسبت فرمایا: انه يشبه خلقى ولا يشبه خلقى۔  
(وہ میری سیرت میں مشابہ ہوگا مگر صورت میں مشابہ نہ ہوگا)

حضرت علیؑ کو فرمایا: انت اخى فى الدنيا والاخرة۔ وقال من احب ان  
ينظر الى عيسى ابن مريم فى زهدة فلينظر الى ابى درداء۔ وقال حذيفة ابن  
اليमान ان اشبه الناس دلاً وسمناً وهدياً برسول الله صلعم لا بن أم عبد۔  
(علی دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے) اور فرمایا: جو کوئی عیسیٰ بن مریم کو اس کے زہد میں دیکھنا  
چاہے وہ ابی الدرداء کو دیکھے اور حذیفہ بن یمان نے کہا کہ لوگوں میں سے دلالت، عادت  
اور ہدایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ابن ام عبد یعنی عبد اللہ بن مسعود ہیں،  
اس بیان کے بعد میں کہتا ہوں کہ امامت سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کے کمالات  
میں مشابہت تامہ حاصل ہو مثلاً علم احکام شرعیہ جو دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔  
ایک تقلیداً دوم تحقیقاً اور تحقیق کے دو طریقے ہیں: پہلا اجتہاد بشرطیکہ معقول طور

سے ذوی العقول کو ہو۔ دوسرا الہام بشرطیکہ مداخلت نفسانی سے محفوظ ہو۔ پس علم احکام میں انبیاء کے مشابہ مجتہدین مقبولین ہونگے یا ملہمین محفوظین۔ چونکہ احکام کی نسبت اوائل امت میں کشف و الہام کی طرف عرف نہ تھا۔ پس اس فن میں انبیاء کے مشابہ مجتہدین مقبولین ہیں۔ سو ان کو ائمہ فن سے جانتا چاہئے۔ جیسا کہ ائمہ اربعہ۔ اگرچہ مجتہد بہت سے گزرے ہیں۔ لیکن جمہور امت کے درمیان یہی چند بزرگ مقبول ہیں۔ پس گویا کہ مشابہت تامہ اس فن میں ان کے نصیب ہوئی۔ اس بناء پر تمام اہل اسلام میں بہت سے خواص و عوام امام کے لقب سے مشہور اور قوت اجتہاد سے موصوف ہوئے۔ اور عقاید میں بھی تقلید کو علم انبیاء میں کچھ مداخلت نہیں ہے۔ پس ان کا طریق فن استدلال ہے یا الہام۔ استدلال کا طریقہ ظاہر ہے اور الہام کا مخفی۔ پس مستدلین کو اس فن میں ان کے ساتھ مشابہت ظاہرہ ثابت ہے۔ اسی بناء پر مستدلین استدلالات قویہ کو متکلمین لفظ امام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً امام غزالی و امام رازی۔

اسی طرح سیاست ایمانی کا قیام دو طرح پر ہے۔ یا بطریق متابعت مثلاً خلفاء اور ان کے نائبوں کے مددگاروں کی طرح۔ دوسرے متبوعیت کا طریقہ۔ مثلاً خود خلفاء۔ اور بیشک سیاست انبیاء طریق ثانیہ سے ہے نہ کہ طریق اولیٰ سے۔ پس خود خلیفہ سیاست ایمانی میں نبی کے مشابہ ہے۔ اسی واسطے اسے امام کہتے ہیں۔ اسی طرح نماز کی ادائیگی ہے یہ بھی دو طرح سے متصور ہوتی ہے۔ فرداً یا اجتماعاً۔ اجتماع میں آدمی یا تابع ہوگا یا متبوع۔ اور انبیاء کا طریقہ یہی ہے کہ نماز کو جماعت سے ادا کرتے ہیں نہ کہ تنہا۔ اور جماعت میں وہ متبوع ہوتے ہیں نہ کہ تابع۔ پس نمازیوں کی جماعت کا متبوع ادائے نماز میں نبی کے مشابہ ہے اور وہی نماز کا امام ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جو کوئی مذکورہ کمالات میں سے کسی کمال میں انبیاء اللہ سے مشابہت رکھتا ہو وہی امام ہے۔ وہ کمال لوگوں کے درمیان خواہ اس لقب سے مشہور ہو یا نہ۔ پس بالضرورت کوئی اکابر امت امام المحبوبین ہوگا اور کوئی امام المعظمین

فی الملائکۃ المقربین، کوئی امام السادات، کوئی امام الملہین، کوئی امام المتوکلین،  
 کوئی امام الاسخیا، کوئی امام المبعوثین، کوئی امام الرحما، کوئی امام المبارکین، کوئی امام  
 الداعین، کوئی امام الفاضلین، کوئی امام الحکما، کوئی امام الوعاط، کوئی امام المجادلین،  
 کوئی امام المتفسرین، کوئی امام الامرا، کوئی امام القضاة اور کوئی امام المجتہدین ہوگا۔  
 وغیرہ۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بعض کاملین کو انبیاء کے ساتھ ایک کمال میں مشابہت  
 ہوتی ہے اور بعض کو دو کمال میں اور بعض کو تین میں۔ اسی طرح بعض کو تمام کمالات  
 میں مشابہت ہوتی ہے۔ پس امامت بھی مختلف مراتب پر ہوگی۔ کیونکہ بعض کے مراتب  
 امامت میں دوسرے سے اعلیٰ ہونگے۔ یہ ہے مطلق امامت کی حقیقت کا بیان۔ پس جو  
 کوئی مذکورہ تمام کمالات میں انبیاء اللہ سے مشابہت رکھتا ہوگا اس کی امامت  
 تمام کاملین سے اعلیٰ ہوگی۔ پس یہ ضرور ہوگا کہ اس امام اعلیٰ اور انبیاء اللہ کے  
 درمیان سوائے نبوت کے امتیاز ظاہر نہ ہوگا۔ پس ایسے شخص کے حق میں یہ کہہ سکتے ہیں  
 کہ اگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص مرتبہ نبوت سے سرفراز ہوتا تو  
 بے شک یہی اعلیٰ کاملین سرفراز ہوتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔  
 لو کان بعدی نبیاً لکان عمر۔ (اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتا) اور اس  
 جلیل القدر کے حق میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نبی اور اس کے درمیان سوائے منصب  
 نبوت اور کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: انت منی بمنزلة  
 ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ (تمہاری اور میری نسبت موسیٰ اور  
 ہارون کی ہے۔ لیکن میرے بعد نبی نہیں) یہ ہے مطلق امامت کی حقیقت کا بیان اور اس  
 کی قسمیں باب دوم میں مذکور ہونگی۔ انشاء اللہ العزیز۔

# باب دوم

## ذکر اقسام امامت

اس میں ایک مقدمہ، دو فصلیں اور ایک خاتمہ ہے۔

### مقدمہ

در بیان امامت حقیقیہ و امامت حکمیہ۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

### صورت اول

یاد رکھو کہ اکثر احکام شرعیہ کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایک ظاہریت۔ حقیقت تو وہ حکمت ہے جو اس حکم کا باعث ہو اور ظاہریت ایک صورت ہے جو اس حکم کی شکل ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شرائع سے اصل مقصود نفوسِ بنی آدم کے اعتقاد، اخلاق، عبادات، عادات اور معاملات کی تہذیب ہے۔ پس جو چیز بذاتہ تہذیبِ نفوسِ انسانی کا باعث ہے وہی چیز شریعت میں مقصود یا لذات ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اصل مقصود ایک نہایت نازک اور باریک نکتہ ہوتا ہے کہ اکثر آدمیوں کے ذہن اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور اگر کبھی پہنچ بھی جائیں تو وہ لطیف نکتہ دوسرے امور کے ساتھ جو اس کی جنس سے نہیں ان کے ذہن پر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ اور غیر مقصود سے مقصود کی تمیز ان سے مشکل ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے بعض ظاہر امور کو اس سرِ مخفی کی جگہ رکھ دیتے ہیں اور صورت کو معنی کا حکم دے دیتے ہیں اور اسی ظاہر حکم کا اجرا کرتے ہیں اور اسی نکل کو قائم مقام اصل بنا دیتے ہیں۔

مثلاً ایمان لانے میں مقصود تصدیق قلبی ہے جو توجہ الی اللہ کا باعث ہے اور جلال خداوندی کے تذکر اور تولدِ حکمت کا باعث ہے، خشیت الہی کا جالب اور عظمت الوہیت کی معرفت کو برانگیختہ کرنے والا، اور شجر عبودیت کا تخم ہے۔ اگرچہ یہ امر مخفی ہے کہ کسی کا ادراک دوسرے کے حالات قلبی تک نہیں پہنچ سکتا اور اس حالت کے حصول کی آرزو بھی ایک دوسرا اور ایک علیحدہ حالت ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ان کا دوسرے سے متنس ہو جاتا ہے۔ حالانکہ منفعت مذکورہ کا تعلق تصدیق کے ساتھ ہے۔ نہ کہ حصول تصدیق کی آرزو کے ساتھ۔ جیسا کہ آثار شجاعت، نفس شجاعت سے متعلق ہیں نہ کہ حصول شجاعت کے متعلق۔ اس لئے امور ظاہرہ کو (جو کہ اقرار زبان کے معنی ہیں) اسی سرخفی (جس کے معنی تصدیق قلبی ہیں) کے قائم مقام فرمایا ہے۔ اسی اقرار کو احکام شریعیہ کا مدار بتایا گیا ہے اور احکام اسلام اسی شخص پر جاری ہوتے ہیں جس سے اقرار زبان صادر ہو۔ اسی طرح حضور قلب اور احکام ظاہرہ کو نماز کے بارہ میں سخاوت اور مقدار مقررہ مال کے خرچ کو زکوٰۃ کے بارہ میں حصول ملکہ صبر ترک اکل و شرب و جماع کو روزہ کے بارہ میں جوش عشق و محبت و طواف و سعی میں حج کے بارہ میں، غیرت ایمانی کے جوش، جمعیت اسلامی و خواہش غنائم و کارزار کو دربارہ جہاد، رضائے جانین اور ایجاب و قبول نکاح میں اربع اور تمام عقدوں، مشقت سفر کا اٹھانا احکام سفر کے بارہ میں تصور کرنا چاہئے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

الغرض تمام شریعت کو ایک مجسم آدمی کی مانند تصور کر لو کہ اس کا ایک تو ظاہر ہے اور وہ گوشت چربی، ہڈیاں، اخلاط اور ارکان سے مرکب جسم ہے۔ اور ایک اس کی حقیقت ہے اور وہ روح لطیف ہے جو عالم امر سے ہے جو قوائے لطیفہ کے تابع ہے۔ اس میں باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامعہ، خیالیہ، وہمیہ اور فکریہ قوی وغیرہ ہیں۔ جب یہ نکتہ واضح ہو گیا پھر باریک تر نکتہ پر غور کرنا چاہئے کہ ہر چند تہذیب نفس انسان کے بارہ میں مقصود اس سے شریعت کی حقیقت ہے جو دارالجزا میں مخفی امور ظاہر ہو جائینگے اور انہی امور خفیہ کی مقدار پر عذاب و نعم کے مدارج پر پہنچیں گے۔ چنانچہ ارشاد باری

تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ اسْمُہ ہے :-

يَوْمَ تَبْيَضُّ الْسَّيِّرَاتُ فَمَا لَمْ يَمِنْ قُوَّةٍ | جس وقت بھیدوں کی جارح کی جائیگی تو اس  
وَلَا نَاصِرٍ - (الطارق) | وقت کوئی قوت کام نہ آئیگی اور نہ کوئی  
ہوگا۔

لیکن شرعیہ دنیویہ احکام کا مدار اسی ظاہر پر ہے اور بس۔ پس جب حقیقت مفقود اور  
ظاہر موجود ہو، اگرچہ وہ امر عند اللہ ہے اعتبار ہے لیکن ہم بندوں کو اجرائے احکام کے بارہ  
میں صاحب صورت ظاہرہ سے اسی طرح پیش آنا چاہئے جیسا کہ صاحب حقیقت سے۔ مثلاً  
منافق اگرچہ اللہ کے ہاں اہل دوزخ کے گروہ سے اور کفار کی قسموں سے بدتر ہے۔ لیکن  
مسلمانوں کو اس سے وہی معاملہ برتنا چاہئے جیسا کہ حقیقی مومن سے کرنا ہے۔ پس گویا کہ  
منافق مومن حکمی ہے اور دوسرا مصدق مومن حقیقی۔ یعنی جن منافع و فوائد کی مومن کو  
اپنے ایمان سے دارالجزا میں اُسید ہے وہ مومن حقیقی کو حاصل ہونگے نہ مومن حکمی (منافق)،  
کو بھی۔ ہاں اجرائے احکام میں منافق بھی مومن کا حکم رکھتا ہے اسی واسطے اس کو مومن  
حکمی کہتے ہیں۔

ایسا ہی اگر کسی نے کسی نے کسی عورت کے ساتھ جبر و اکراہ سے نکاح کیا اور کرمًا  
اس سے ایجاب یا قبول کا لفظ صادر ہوا پس اگرچہ وہ نکاح کرتے والا زانی کی مانند  
دارالجزا میں اپنے عمل کے بدلہ میں گرفتار ہوگا۔ لیکن احکام ظاہر مثلاً ثبوت نسب،  
تعلق رشتہ و پیوند اور احکام وراثت میں ناکح بجز کو مانند ناکح برضا کے شمار کیا جائیگا۔  
اسی طرح محصل اور پاکار عابد کا خیال کر لینا چاہئے۔ مثلاً خالص نمازی حقیقی تہمیزی  
ہے کہ قرب خدا اور مراتب مصطفیٰ اور نزول رحمت و برکت دنیا میں اور حصول درجات  
جنت میں جو نمازیوں کے لئے وعدہ کیا گیا ہے بے شک اس نمازی کو حاصل ہوں گے۔ مگر  
ریاکار تہمیزی حکمی نمازی ہے کہ تارکین نماز کی حد و تعزیر دنیا میں تو اس سے ساقط ہوگی  
مگر عند اللہ تارکین نماز کی مانند مردود اور اس درگاہ سے مبرا سر مطرود ہے چنانچہ  
ارشاد خداوندی ہے :



خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر  
ہیں۔ وہ وہ ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں اور منع کرتے  
ہیں برتنے کی چیزوں کو۔

قَوْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ  
صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ  
يُؤَاذِنُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ - (ماعون)

## صورت دوم

یہ بات واضح سوچنی ہے کہ احکام شرعیہ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اور  
اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعتبار حقیقت سے وابستہ ہے اور اجرائے احکام کی بنا ظوہر  
پر ہے۔ ایسا ہی مناصب شرعیہ کو خیال کرنا چاہئے مثلاً امامت کی حقیقت یہ ہے کہ  
پیغمبروں کے ہر ایک کمال میں امام تشبہ اختیار کرے جن کا ظاہر عمل شریعت کے  
نزدیک دنیا میں اسے امامت کا حقدار قرار دیتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک  
کمالات مذکورہ میں مشابہت کا ان کے حقیقی معنوں پر اعتبار ہوگا۔ احکام ظاہری اس کے  
وجود کی علامت سے متعلق ہیں۔ پس صاحب حقیقت اس کمال کا حقیقی امام ہوگا اور  
صاحب علامت حکمی امام متصور ہوگا۔ مثلاً امامت نقاہت کی ایک حقیقت ہے اور  
وہ اجتہاد کا صحیح ملکہ ہے اور ایک صورت ہے اور وہ احکام غیر منصوص کا بیان ہے پس  
اللہ کے نزدیک بلند درجہ ملکہ اجتہاد کے ساتھ مربوط ہے اور تفویض منصب قضا و  
فتویٰ وغیرہ بیان احکام کے ساتھ وابستہ ہیں اگرچہ بروئے تقلید ہو بس مجتہد قاضی  
حقیقی قاضی ہے اور مقلد قاضی حکمی قاضی ہوگا۔ اگرچہ مجتہد قاضی اللہ کے نزدیک  
مقلد قاضی سے نہایت افضل و اکمل ہے لیکن مسلمانوں کو مقلد قاضی کے ساتھ اسی  
طرح معاملہ کرنا چاہئے جیسا کہ مجتہد قاضی سے کرنا چاہئے۔ مثلاً جب وہ حکم کرے تو اس  
کے حکم کو مختلف فیہ مسائل میں تسلیم کریں اور جب محکمہ میں بلائے تو اس کی عافری  
کو واجب سمجھیں اور جب حدود تعزیرات کو قائم کرے تو تسلیم کریں۔

اسی طرح سیاست ایمانی کی بھی ایک حقیقت ہے اور وہ پیغمبروں کی شفقت  
وافر ہے جو وہ بندگان خدا کے ساتھ ان کی دینی و دنیوی اصلاح میں کمال رغبت

سے کرتے ہیں خواہ جبراً ہو یا حکومتاً۔ اس کے ساتھ فراست و امارت کا سلیقہ بھی ضروری ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے اجرا کا ظہور ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مرتبہ اور قرب منزلت فی جوار اللہ اسی شفقت و رغبت سے وابستہ ہے۔ اطاعتِ تسلط کے وجوب اور اجرائے احکام شرعیہ پر موقوف ہے اگرچہ احکام مذکورہ کا اجرا سیاستِ سلطانی کی بنا پر یعنی طمع مال اور حصولِ سلطنت کی آرزو اور مسلمانوں کے لشکر کا اجتماع اپنے مخالف کے دفعیہ کے لئے ہو۔ پس صاحبِ سیاستِ ایمانی فنِ سیاست میں امامِ حقیقی ہے اور صاحبِ سیاستِ سلطانی امامِ حکمی ہوگا۔ ہاں اگر شرع کو تبدیل کیا اور مخالفِ شرع کام کا اجرا کیا۔ پس وہ اس صورت میں سیاستِ ایمانی کی صورت کو مسخ کرنے والا ہوگا۔ پس ایسے احکام میں اس کی اطاعت کسی مسلمان پر واجب نہیں بلکہ ممنوع اور حرام ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی شہد ہے۔ لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ (کسی مخلوق کی خاطر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی درست نہیں) امامتِ حکمیہ یہ ہے کہ اس مشابہت کی علامات ظاہری اس شخص میں ہوں جسے مشابہتِ حقیقی حاصل نہیں۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ امامتِ حقیقیہ اور امامتِ حکمیہ کو علیحدہ علیحدہ دو فصلوں میں بیان کیا جائے۔

## فصل اول

### اقسامِ امامتِ حقیقیہ

واضح رہے کہ امامتِ حقیقی اوصافِ مذکورہ میں سے کسی وصف میں پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ مشابہتِ تامہ کے معنی ہیں۔ اور وہ اوصاف بے شمار ہیں۔ پس اقسامِ امامت بھی بے شمار ہیں۔ اگر اقسامِ امامت کی ہر قسم کے بیان کی حقیقت اور تفصیل کی طرف پوری توجہ دی جائے تو بیان بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لئے یہاں صرف چند اعلیٰ

قسم کے مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور دوسری اقسام کو انہی سے سمجھ لینا چاہئے۔  
 پس یاد رکھو کہ اگر فقط کمال و جاہت اور اس کے شعبے اور کمالات، ولایت اور اس  
 کی قسموں میں مشابہت حاصل ہو اور بعثت، ہدایت اور سیاست میں مشابہت حاصل  
 نہ ہو تو اس کو بھی اقسامِ امامت سے ایک قسم سمجھنا چاہئے۔ اور اسے خفیہ امامت سے تعبیر  
 کرنا چاہئے اور اگر بعثت اور ہدایت بھی اس کے ساتھ شامل ہوں تو اسے ایک دوسری  
 قسم سے شمار کرنا چاہئے اور اسے امامتِ باطنہ سے موسوم کرنا چاہئے۔ اگر اس کے ساتھ  
 سیاست بھی ہوگی تو وہ ایک تیسری قسم ہوگی اور اسے سیاستِ تامہ سے ملقب کیا جائیگا۔  
 یہاں بظاہر ایک اور قسم بھی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ فقط بعثت اور ہدایت میں مشابہت  
 حاصل ہو۔ نہ و جاہت اور ولایت میں اور نہ سیاست میں۔ اور یہ قسم اگر چہ ظاہر سے  
 معلوم ہوتی ہے لیکن فکرِ دقیق اور نظرِ عمیق کے اعتبار سے یہ قسم باطل ہے۔ کیونکہ اس مقام  
 میں امامتِ حقیقیہ کی اقسام پر بحث ہے نہ کہ امامتِ حکمیہ کی اقسام سے۔ پس یہاں فقط  
 بعثت و ہدایت کے وجود کے آثار کافی نہیں۔ بلکہ انبیاء اللہ کے ان ہر دو کمال کے اقسام  
 و شعب کی مشابہت تامہ ضروری ہے۔

گویا کہ امامت کی حقیقت، بعثت اور ہدایت کے بارہ میں اس طرف راجح ہے کہ  
 حکیم مطلق اپنے بندوں کی تربیت کے لئے اپنے مقربانِ بارگاہ سے کسی بندے کو چن کر  
 انبیاء اللہ کی نیابت کا منصب عطا فرمادیتا ہے۔ پس ایک علیل القدر کی نیابت کا  
 منصب ایک ایسے شخص کو دینا بعید از حکمت ہے جو عزت و آبرو کے بارہ میں حاضرین  
 دربار کی مجلس میں رفعت اور کمالاتِ انسانی کے معاملہ میں اپنے منیب کے ساتھ  
 مشابہت نہ رکھتا ہو۔ پس واضح ہو گیا کہ انبیاء اللہ کی نیابت کا منصب ان سے مشابہت  
 کے بغیر نفسِ کمال میں متصور نہیں ہے۔

پس فی الحقیقت امامتِ خفیہ امامتِ باطنیہ کا بیج ہے۔ اور منصبِ نیابت و  
 حصولِ ثمر سوائے تخم کے ہرگز حاصل نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ممکن ہے کہ کسی چیز کی ظاہر  
 صورت کو ثمرات سے کسی ثمر کے مشابہ بنائیں۔ مثلاً لکڑی اور پتھر پر انگور کے سے

لطیف و نازک دانے تراش کر رکھیں پس وہ دانہ انگور حکمی ہونگے نہ کہ حقیقی۔

پس امامتِ باطنہ کے دو جز ہیں پہلا لباسِ ظاہر اور وہ بعثت و ہدایت میں منصبِ نیابت ہے اور حقیقت پوشیدہ اور وہ مقام و جاہت و ولایت ہے۔ اور دوسری قسم جو امامت کے ساتھ کمالِ سیاست میں حاصل ہوتی ہے نہ کہ کمالاتِ اربعہ سابقہ سے۔ یہ قسم بھی قسمِ اول کی طرح اذہانِ ثاقبہ و افکارِ صائبہ کے نزدیک از قسمِ محالات ہے۔ کیونکہ سیاست میں امامت سے مراد یہاں انبیاء اللہ سے سیاستِ ایمانی کے قیام کی مشابہتِ تامہ کا حصول ہے نہ کہ سیاستِ سلطانی کا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سیاستِ ایمانی کسی شخص سے تمام و کمال سیادتِ انبیاء کی مانند صادر نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ شخص مقربِ بارگاہِ ربانی اور مخزنِ کمالاتِ انسانی نہ ہو۔ اور تکمیلِ بندگان کے لئے مامور اور طریقِ ہدایت و ارشاد سے ماہر نہ ہو اور یہ امر عقل سے بعید ہے۔ کیونکہ انبیاء سے مناسبتِ محال ہے اس شخص کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی حلیل القدر بادشاہ کا خلیفہ ہو۔ اور سیادتِ سلطانی کے معاملات اس کے ہاتھ سے بخوبی سرانجام پاتے ہوں۔ پھر بھی اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ معاملاتِ سیاست اس سے بخوبی سرانجام ہوتے ہیں، لیکن ذاتی کمالات یعنی عقل و سیاست، فہم و ادراک، بخت اور جہند اور بلند ہمتی میں وہ بادشاہِ مذکور سے مشابہت نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ امر سراسر باطل اور محال ہے۔

دوسری مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں آدمی اگرچہ لطیف شعر کہتا ہے لیکن نزاکتِ طبعی اور شعر کا ملکہ نہیں رکھتا۔ اور اگرچہ دقیق مضامین لکھتا ہے لیکن دین رسا اور ملکہ تحریر و تقریر نہیں رکھتا۔ ایسا ہی امامتِ ظاہرہ کا جسے خلافت کہتے ہیں امامتِ باطنہ سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ خلافتِ بمنزلہ سامانِ ظاہرِ بادشاہی کے ہے۔ مثلاً اجتماعِ عساکر اور نفاذِ حکم و تسلطِ بلدان و بنائے قلعہ ہا و سامانِ حرب وغیرہ۔ اور امامتِ باطنہ ہمیشہ حقیقتِ سلطنت کے ہے جیسا کہ اقبال و عقل و تدبیر، خزانہ دہان و غیرہ پس جس طرح سامانِ سلطنت کی رونق اور انتظام کا رخانہ حکومت، و فور خزان و قوت و عقل اور تدبیر و ترقی اقبال پر دلالت کرتا ہے ایسے ہی سیاستِ ایمانی

کا اجر صحیح صحیح قانون سیاست انبیاء تحقیق امامت باطنہ پر دلالت کرتے ہیں پس فی الحقیقت ابواب امامت نامہ کی ایک اصل ہے اور وہ امامت باطنہ ہے اس کا ایک ظاہر ہے اور وہ خلافت ظاہر ہے پس واضح ہو گا کہ یہ جو خاص و عام کی زبان پر ہے کہ بعض اوقات ایک شخص کو منصب امامت ظاہرہ اتفاقاً حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ وہ امامت باطنہ سے معطل ہوتا ہے پس یہ بات بعید از عقل ہے۔ احتمال یہ ہے کہ امامت ظاہرہ سے ان کی مراد امامت حکمیہ ہو پس ان کا ماہصل یہ ہو گا کہ بعض اشخاص کو منصب سلطنت حاصل ہوتا ہے اور سیاست سلطانی ان سے بخوبی سرانجام ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ معاملات ربانی، کمالات نفسانی اور اصلاح عالم و تربیت بنی آدم میں کسی طرح بھی انبیاء اللہ سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور مقربان بارگاہ حضرت حق تعالیٰ ان کو بزرگان امت و ملت سے نہیں جانتے۔ یہ بات صحیح ہے لیکن یہاں معانی سلطنت کی تحقیق پر بحث نہیں بلکہ خلافت نبوت کے معانی کی تصدیق ہے۔

اس بیان سے واضح ہو گا کہ امامت حقیقیہ کی عمدہ اقسام تین ہیں: (۱) امامت خفیہ (۲) امامت باطنہ اور (۳) امامت نامہ پس ان کو تین صورتوں کے ضمن میں لکھا جاتا ہے۔

## صورت اول امامت حقیقیہ

واضح ہو کہ امامت خفیہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منازل و جاہت مقامات ولایت کے ساتھ مشابہت کا حصول ہے اور عموماً سیادت جسے وساطت کہا جاتا ہے رب العزت اور بندوں کے درمیان حصول فیوض غیبی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ باوجودیکہ یہ لوگ ہدایت کے لئے مبعوث نہیں ہوتے پس ضروری ہے کہ یہ وساطت حصول فیوض تکوینی کے لئے متحقق ہوتی ہے نہ کہ فیض تشریحی کے لئے پس حکیم مطلق ان کو تصرفات کونیہ میں واسطہ بناتا ہے۔ مثلاً نزول بارش و پرورش اشجار، سرسبزئی نباتات و پھائے انواع حیوانات و بادی قریہ و امصار، تغلب احوال و ادوار، و

تحویل افعال و ادبار سلاطین و انقلاب حالات اغنیاء و مساکین اور ترقی و تنزیل صنعا  
و کبار، اجتماع و تفرق جنود و عساکر و رفع بلا و دفع و با و غیرہ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
و سلم نے فرمایا ہے :-

الابدال یكونون بالشام و هم اربعون رجلاً كلما مات رجل ابدل  
الله مكانه رجلاً یسقی بهم الغیث و ینصر بهم علی الاعداء و یصرف عن  
اهل الشام بهم العذاب۔ (ملک شام میں چالیس شخص ابدال ہونگے جب ان میں  
سے کوئی شخص وفات پا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی اور شخص کو اس کی جگہ پر مقرر کر دیتا  
ہے۔ ان کی برکت سے مینہ برستا ہے، دشمنوں پر فتح ہوتی ہے۔ اور انہیں کی برکت  
سے شام والوں پر عذاب نہیں آتا)

ان کی وساطت امور مذکورہ میں تین طرح سے ثابت ہوتی ہے: اول نزول  
برکت۔ دوم عقد ہمت۔ سوم ورود الہام۔

نزول برکت کا بیان یہ ہے کہ جس طرح حق جل و علی نے آفتاب کے جسم کو باعث تنور  
عالم اور واقع تاریکی بنایا ہے پس اگرچہ اطراف عالم میں نور کا پھیلنا اور روئے زمین سے  
سیاہی کا دور ہونا محض خدائے عزوجل کی قدرت کاملہ سے ہے۔ اگر کوئی آفتاب کو خالق  
نور سمجھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ جس  
وقت آفتاب طلوع ہوتا ہے تو تمام جہان روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مقربان بارگاہ  
ملائکہ ہیں کہ ان کا وجود بمنزلہ آفتاب کے ہے جو چرخ ملکوت کے اوج پر چمکتا ہے۔ اور  
ایک چاند ہے عالم جبروت میں جو شب تاریکی میں درخشاں ہے۔ بیشک ان کے  
ساتھ غیب سے ایک نور ظاہر ہوتا ہے جو اصلاح عالم، انتظام بنی آدم، گردش ایام  
اور تغیر حالات زمانہ کا سبب ہوتا ہے۔ پس جو کچھ تغیرات و تقلبات مذکورہ  
اطراف عالم یا اطوار بنی آدم میں پیدا ہوتے ہیں تمام تر ان کی قدرت سے نہیں ہوتے اور  
نہ ہی ان کی طاقت امکانی کے نتائج سے ہوتے ہیں۔ بلکہ اللہ رب العزت نے ان کو  
تصرف عالم کے آثار کی قدرت عطا فرما کر بنی آدم کے کاروبار ان کے سپرد کر دئے

ہیں پس یہ بامر اللہ اپنی طاقت صرف کرتے اور گونا گوں تصرفات اور زنگارنگ تغیرات  
عالم کون میں ظاہر کرتے ہیں۔ لہذا یہ اعتقاد محض شرک اور کفر ہے۔ اگر کوئی ان کی  
نسبت یہ عقیدہ رکھے تو بے شک وہ مشرک مردود اور کافر مطرود ہے۔ حاصل کلام یہ  
کہ تقدیر الہی کا نزول کسی مقبول بارگاہ کی وجاہت یا دعا کی بنا پر ہوتا ہے دوسری بات  
ہے اور تصرفات کوئی کا صدور اسی مقبول بارگاہ سے اگرچہ بامر اللہ ہو علیحدہ بات ہے۔  
پہلا علمین اسلام ہے اور دوسرا محض کفر ہے

بہیں تفاوتِ راہ از کجا است تا یکجا

عقدِ ہمت کے بیان کی تحقیق دو طرح پر ہے؛ اول و فور شفقّت۔ دوم ظہور اثر  
تقدیر پس اول کا بیان یہ ہے کہ بندگانِ خدا سے شفقّت کا زیادہ ہونا مقاماتِ ولایت  
میں سے ہے جو بالضرور انہیں بسبب کمالیت حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ وہ حضرات ہدایت  
کے لئے مبعوث نہیں ہوئے اس لئے ان کی شفقّت عباد اللہ کے حق میں ان کے  
معاشی حالات ہی میں مصروف ہوتی ہے مثلاً دفع بلا حصول عطیات، ترقی حال و عروج  
اقبال وغیرہ۔

پس جس طرح عباد اللہ کے لئے مبعوثین کی شفقّت امورِ آخرت کی اصلاح میں  
مصروف ہوتی ہے ایسا ہی ان بزرگوں کی شفقّت عباد اللہ کے لئے معاش میں  
ان کے حال کے انتظام پر لگی رہتی ہے۔ پس مبعوثین کی شفقّت عباد اللہ کے حق میں  
ایسی ہوتی ہے جیسے باپ کو اولاد کے حق میں۔ اور ان بزرگوں کی شفقّت ایسی ہوتی  
ہے جیسے ماں کی اولاد کے ساتھ پس جیسا کہ پدری شفقّت اصلاح حال کو مد نظر  
رکھتی ہے اگرچہ اس حال میں اس کو کسی قسم کی تکلیف بھی ہو اور شفقّت مادری کا حال  
اس کے برعکس ہے۔ ایسا ہی مبعوثین کی شفقّت اور ان بزرگوں کی شفقّت کے درمیان  
فرق ہے۔ اسے غور سے سمجھنا چاہئے۔ حاصل کلام یہ کہ ان کا وجود مبارک و فور شفقّت  
کے سبب سراسر دعائے حالی ہے اور کبھی دعائے مقالی کی طرف بھی کھنچا جاتا ہے۔ اور  
بجیب الدعوات و اہب العطیات ان کی اکثر افسطرا یہ دعائیں جو شدتِ شفقّت سے

نکلتی ہیں اپنی حکمت بالغہ سے قبول فرماتا ہے۔

ظہور اثر کی تفصیل یوں ہے جس طرح ان کا سینہ صفا گنجینہ صاف اور بے رنگ شیشہ کی مانند ہے کہ انوکھوں اور غیبی سے سراسر درخشاں اور فیض لاریبی سے تمام عالم پر نوزائشاں ہے جو کچھ عالم تقدیر میں مقدر ہوتا ہے اور اردہ ربانی اس کے صادر ہونے کے متعلق ہوتا ہے تو ضرور اس چیز کے وجود کی خواہش ان کے دل میں جوش مارتی ہے اور اس کے ظہور کے لئے دعا ان کے سینہ میں خروش کرتی ہے۔ اور وہ دعا بلا شک حضور رب العزت میں قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ اس دعا کا ظہور تقدیر ربانی کی تمہید ہے نہ کہ تدبیر انسانی کے خیالات۔

ورود الہام کا بیان یہ ہے کہ یہ بزرگ ارشادات غیبی کے طریقہ یا تفہیم و تعلیم اور مقامات و معاملات کے طریقہ پر افعال عامہ بشریہ میں سے کسی فعل کے ساتھ مامور ہوتے ہیں جیسے کسی کو مار ڈالنا یا کسی چیز کا دینا یا لینا وغیرہ۔ اور بھی بہت سے امور ہیں جن کا افراد بنی آدم میں رات دن شیوع و اجرا ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے افراد ان امور کو اپنی خواہشات نفسانی کی بنا پر عمل میں لاتے ہیں مگر یہ بزرگان دین الہام ربانی کی بناء پر کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حفصہ علیہ السلام نے فرمایا:

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي (کہف) میں نے اسے خود بخود نہیں کیا پس وہ اقوال و افعال جو عام بنی آدم سے صادر ہوتے ہیں یہ ان کے حق میں از قبیل عادات شمار ہوتے ہیں مگر ان بزرگوں سے از قسم عبادات انٹرض ان بزرگوں کے اعمال اصلاح حال عالم کی طرف راجح ہوتے ہیں اور عوام کے اعمال کا ثمرہ لذات نفسانی کی بناء پر ہے۔

موسیٰ اندر درخت آتش دید سبز شد آن درخت اندر نار

شہوت و حرص مرد صاحب دل این چنین ہواں و این چنین انگار

ان کے حال کو ملائکہ کے حال پر قیاس کرنا چاہئے۔ ہزاروں انبیاء اور اولیاء کا قتل جو عزرائیل علیہ السلام سے صادر ہوتا ہے۔ چونکہ الہام ربانی کی بناء پر ہے اس واسطے سرمایہ سعادت ہے اور حضرت زکریا کا قتل جو ایک ظالم شقی سے ہوا چونکہ وہ ہوا سے



سے تھا اس لئے سراسر باعثِ شقاوت ہوا۔ پس اکثر ان کا حال ملائکہ کے حال کی مانند ہے۔ جیسا کہ ملائکہ اللہ دو قسم ہیں۔ ایک ملائعہ اعلیٰ۔ دوسرے مدبیرات الامر۔ ملائعہ اعلیٰ کی شان اطلاق ہے جو کسی خاص قوم یا شہر کی اصلاح کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان کی نظر تمام عالم کی اصلاح اور تمام بنی آدم کی خدمت پر ہے۔ لیکن مدبیرات الامر میں سے ہر ایک ایک معین کا رخانہ پر موکل ہے اور ان کی ہمت اس کام کی اصلاح کے لئے صرف ہوتی ہے۔ کوئی ان سے کارخانہ ابرو باد پر موکل ہے، کوئی ارحام کے اندر صورت و شکل بنانے پر اور کوئی بنی آدم کی حفاظت وغیرہ پر مامور ہے۔ ایسا ہی ان بزرگوں سے بعض تو بنی آدم کے مطلق حال کی اصلاح پر مامور ہیں کسی شہر یا قوم کے لئے مخصوص نہیں ہیں جیسا کہ خضر علیہ السلام اور ابدالی و اوتادی و افراد ہیں۔ مگر بعض دوسرے کسی خاص قوم یا کسی خاص شہر یا لشکر سے خصوصیت رکھتے ہیں جیسا کہ قطب، نجباء اور رقباء۔ ان کو اہل خدمات سے کہتے ہیں۔ پس اول قوم تو ملائعہ اعلیٰ کی نائب ہے اور دوسری مدبیرات الامر کی۔ پس جیسا کہ ملائکہ مقررین کی حالیہ و مقالیہ دعاؤں میں اختلاف واقع ہوتا ہے کہ ایک تو کسی قوم کا عروج چاہتا ہے اور دوسرا دوسری قوم کا۔ اور ایک ایک چیز کو ترجیح دیتا ہے اور دوسرا دوسری چیز کو۔ اس کو اختصاص ملائعہ اعلیٰ کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکایت کے طور پر اپنے رسول صلعم کو فرمایا:

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ | مجھے ملائعہ اعلیٰ کے متعلق علم نہیں ہے جب کہ  
إِذْ يُخْتَصِمُونَ - (ص) | وہ جھگڑتے تھے۔

پھر حق جل و علیٰ اپنی حکمت بالغہ سے کسی امر کو جو مناسب مصلحت ہو جاری فرماتا ہے کبھی ایک کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور کبھی دوسرے کی دعا کو جیسا کہ خود فرمایا:

وَدَرَى الْمَلَأِ مَلَكَةَ حَاقِبِينَ مِنْ حَوْلِ | تو نے فرشتوں کو دیکھا کہ صفیں کئے ہوئے عرش  
الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ | کے گرد تسبیحیں کرتے ہیں اپنے رب کی تعریف کے  
بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ | ساتھ اور ان میں فیصلہ کیا گیا اور کہا کہ سب  
الْعَالَمِينَ - (زمر) | تعریف اللہ ہی کو ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔

ایسے ہی اہل خدمات کی دعاؤں اور ہمتوں میں بھی اختلاف واقع ہوتا ہے کہ ایک تو ایک لشکر کی فتح مندی چاہتا ہے اور دوسرا دوسرے کی کامیابی حکیم علی الاطلاق و مالک بالاستحقاق کبھی کسی کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور کبھی دوسرے کی دعا کو۔ ارشاد ہوتا ہے :

ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ | یہ اندازہ غالب اور جاننے والے کا ہے۔  
یا در کھو اگرچہ بزرگ لوگ انبیاء کی اوصاف و جاہت اور مقامات ولایت سے مشابہت نامہ رکھتے ہیں لیکن چونکہ ان کی نیابت کا منصب ہدایت کے بارہ میں اور ان کی خلافت کا مرتبہ سیاست کے بارہ میں نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ائمہ کے لقب سے ملقب نہیں ہوئے۔

## صورتِ ثانی۔ امامتِ باطنہ

واضح ہو کہ صاحبانِ امامتِ خفیہ اکثر ملائکہ مقربین کا ظل ہیں، انبیاءِ مرسلین کی مانند انتظامِ عالم کے لئے مامور نہیں۔ اور نہ ہی بنی آدم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہیں۔ صرف خدمتِ مخلوق کے لئے منصوب و قائم ہوتے ہیں۔ احکامِ شرع متین میں مبعوث نہیں۔ اسی لئے لقبِ امام سے ملقب نہیں ہو سکتے اور نہ منصبِ بعثت تک پہنچتے۔ ابابِ امامت نامہ یعنی خلیفہ راشد سے ملقب ہوئے پس مطلق لفظ امام سے صاحبِ امامتِ باطنہ سمجھا جاتا ہے اور بس۔ بلکہ کلام رب العالمین میں لفظ امام اکثر اسی منصب والے پر مستعمل ہے جیسا کہ فرمایا :

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ | جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں  
فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ | آزمایا اور اس نے ان کو پورا کر دیا تو فرمایا میں  
إِمَامًا۔ (البقرہ) | تجھے لوگوں کا پیشوا (امام) بناؤں گا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت خلیلؑ سے سیاست وقوع میں نہ آئی بلکہ آل جناب سے عوام الناس کی نسبت جو کچھ ثابت ہے یہی تبعوعیت اقسامِ ہدایت ہے اور فرمایا۔

ہم نے ان میں سے امام بنائے ہیں جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین کیا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اُمَّةً يَهْتَدُونَ  
بِامْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بآيَاتِنَا  
يُوقِنُونَ - (سجدہ)

اور فرمایا :-

ہم نے انہیں امام بنایا جو ہمارے حکم سے راہ بتاتے ہیں اور ہم نے ان کو اچھے کام کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا الہام کیا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

وَجَعَلْنَا هُمْ اُمَّةً يَهْتَدُونَ بِامْرِنَا  
وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ  
الصَّلٰوةِ وَاِيتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوا لَنَا  
عَابِدِيْنَ - (انبیاء)

پس غور کرنا چاہئے کہ یہ حضرات مثال انبیاء ہیں اور انبیاء کا حال انتشار ہدایت میں مختلف ہے۔ بعض سے ہدایت مکمل طور پر ہوئی۔ جیسا کہ خاتم الانبیاء و کلیم اللہ علیہم السلام اور بعض سے ان سے کم اور بعض سے ان سے بھی کم جیسے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور بعض تو بنی آدم میں سے ایک کے لئے بھی باعث ہدایت نہ ہو سکے مثلاً حضرت لوط علیہ السلام۔ پس جس طرح ان میں سے ہر ایک منازل و مقامات میں فائق اور ارسال و بعثت میں لائق تھا، رحمت و شفقت وافرہ میں یگانہ عصر اور باب ہدایت میں یکتائے روزگار تھا اور ہدایت کی قلت و کثرت کا ظہور کسی طرح سے ان کے منصب کا مستقطنہ ہوا اور کسی وجہ سے نقص کا غبار ان کے دامن پاک تک نہ پہنچا۔ اور تمامہ وہ منصب نبوت میں یکرنگ اور میزان رسالت میں ہم سنگ ہیں۔ اسی طرح قیاس کر لیں کہ آئمہ کی شان بھی انتشار ہدایت کی قلت و کثرت کے بارے میں مختلف ہے حالانکہ منصب امامت میں تمثال رکھتے ہیں کسی امام سے ظہور ہدایت کی قلت ان کے درجہ علو و کمال کے سقوط یا کمی کا باعث نہیں ہو سکتی۔ یہی آئمہ اہل بیت ہیں کہ ان میں سے ایک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما عالم اور رہنمائے بنی آدم ہیں۔ ایک ان میں سے ان کے جدا مجد حضرت سجاد ہیں جو سوائے چندا کا براہل بیت کے بہت کم لوگ ان سے مستفید ہوئے۔ پس اس تفاوت کے لحاظ سے ایک کے لئے منصب امامت ثابت کرنا اور دوسرے

سے ساقط کرنا ایسا ہے جیسا کہ جناب حبیب اور حضرت کلیم کے واسطے نبوت ثابت کرنا اور حضرت لوط علیہ السلام سے ساقط کرنا۔ العیاذ باللہ۔

پس یہاں امامت کی دو قسمیں ہو گئیں۔ امامت مشہورہ۔ امامت غیر مشہورہ۔ فی الحقیقت امامت عطیہ ربانی ہے نہ کہ اصطلاحات انسانی۔ ہاں اگر سعادت مندان زمانہ اس سے فیض یاب ہوں تو وہ امامت مشہورہ ہوگی ورنہ غیر مشہورہ۔ اس مقام میں چند لطیفے ہیں جو چند نکات کے ضمن میں بیان کئے جاتے ہیں:

**نکتہ اول** | امامت ظل رسالت ہے۔ بناء اس کی اظہار پر ہے نہ کہ انخفا پر۔ بر خلاف ولایت کے۔ پس جیسا کہ منازل و وجاہت اور مقامات کا دعویٰ اور معاملات ربانی و کشف و اسرار روحانی کا بیان ارباب ولایت کے حق میں منقطع و سلب و زوال ہے اسی طرح ان کے حق میں ترقی و کمال کا باعث ہے۔ وہ کلمات جو فخر کی اقسام سے آئمہ ہدیٰ سے ظاہر ہوئے جیسا کہ حضرت امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: انا الصديق الاكبر لا يقولها بعدى الا كذاب وانا القران الناطق۔ میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد یہ لفظ سوائے کذاب کے کوئی نہ کہے گا اور میں قرآن ناطق ہوں، اور جو سید الشہداء سے معرکہ کربلا میں فخریہ اشعار مروی ہیں اور ایسا ہی تمام آئمہ اہل بیت اور سید عبد القادر جیلانی اور دیگر آئمہ ہدیٰ سے بھی ایسے کلمات صادر ہوئے ہیں۔ ان کلمات کو نعمۃ اللہ اور تشبیت رحمۃ اللہ کی قبیل سے شمار کرنا چاہئے نہ کہ ہرزہ سرائی اور خود ستائی کی جنس سے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود گیر

گر چه ماند در نوشتن شیر و شیر

**نکتہ ثانی** | امام نائب رسول ہے اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اپنے بندوں میں انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ جاری فرمایا وہی طریقہ آئمہ کے ذریعہ بھی جاری فرماتا ہے اور آئمہ کے ذریعہ انبیاء کی بعثت کے لئے اتمام حجت ہے۔ یعنی جب تک کہ رسول کی بعثت متحقق نہیں ہوتی اور ان کا تجدد و انکار بدخبتوں سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اللہ

تعالیٰ ملک العلام کا انتقام اہل معاصی و آثام کے حق میں متحقق نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد

ہے: **وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا** | ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب  
(بنی اسرائیل) تک اپنا رسول بھیج کر تمام حجت نہ کر لیں۔

اور یہ تمام حجت بعثتِ ائمہ سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

**وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ** | ان کو اہل قریہ کی مثال سناؤ جب آئے  
ان کے پاس رسول آئے۔ (آخر قصہ تک)

مراد اس قریہ سے قریہ انطاکیہ ہے کہ حواریں حضرت عیسیٰ روح اللہ ان کی طرف  
مبعوث ہوئے تھے اور اہل انطاکیہ ان سے تجدد و انکار سے پیش آئے اور ملک العلام  
کے انتقام میں گرفتار ہوئے۔ اس بارہ میں ارشاد باری ہے:

**وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهَا** | ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی شکر  
نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے نہیں  
تھی وہ مگر ایک آواز پس اس وقت وہ  
بھیج کر رہ گئے۔ **هَمْ خَامِدُونَ**۔ (یس)

پس یہ بات دل سے سمجھنی چاہئے کہ جب جملہ اوقات میں کسی وقت بھی ایک امام  
کھڑا ہوا اور دعوت اس کی ظاہر ہو تو بیشک تمام اہل معصیت و فساد پر حجۃ اللہ کا  
اتمام ہو گیا۔ اور انتقام الہی کا وقت ان پر آ پہنچا۔ پس گویا معاصی اور گناہ امام کے  
معارضہ اور مقابلہ کی وجہ سے کامل ہوتے ہیں اور بیشک سرحد انتقام کی طرف  
لے جاتے ہیں:

از انجملہ ان کی تلاش اور معرفت میں بندگانِ خدا مامور ہیں چنانچہ ارشاد ہے:  
**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ** | اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی  
طرف وسیلہ کی تلاش کرو۔ **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ السَّبِيلَ**۔ (مائدہ)

اور وسیلہ سے مراد وہ شخص جسے منزلت میں تقربِ خدا حاصل ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وہ لوگ بو پکارتے اور اپنے پروردگار کی طرف  
وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون ان میں سب سے  
زیادہ مقرب بارگاہ ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ  
إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ -  
(بنی اسرائیل)

اور باعتبار منزلت کے اقرب الی اللہ اول رسول ہے بعد ازاں امام جو اس کا  
نائب ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أنا أحب الناس إلى الله  
يوم القيامة وأقربهم مجلساً امام عادل۔ (لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کا محبوب اور  
اس کا مقرب قیامت کے دن امام عادل ہوگا)

اور فرمایا: من لم يعرف إمام زمانه فقد مات ميتة الجاهلیة۔ (جس نے  
اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا تو وہ جاہلیت کی موت مرا)  
از انجملہ بعض مواعید کا ایفا ہے کہ حق جل و علی نے اپنے رسول کو ان سے موعود  
فرمایا۔ پس ان میں سے بعض کا ایفا پیغمبر کے ہاتھ سے ہوا اور بعض کی آپ کے نائبوں  
کے ہاتھ سے تکمیل ہوئی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ  
وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ  
كُلِّهِ - (توبہ وغیرہ)

وہ ذات پاک وہ ہے جس نے اپنے رسول  
کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ  
اسے سب ادیان سے ممتاز کر دے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ ظہور دین کی ابتدا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں  
ہوئی اور اس کی تکمیل حضرت مہدی علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوگی۔ اور ایسا ہی قیصر  
وکسری اور ان کے خزانوں کی ہلاکت و تباہی کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا  
وعدہ دیا گیا تھا مگر ظہور اس کا خلفائے راشدین سے واقع ہوا۔

منجملہ مذکورہ امور کے ایک اتمام امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر  
مامور ہوئے تھے اور اس کی ادائیگی امام سے بھی ظاہر ہوئی۔ چنانچہ قرآن میں ہے:  
قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ  
اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا - (اعراف)

کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں اللہ کا رسول ہوں  
تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

اور ظاہر ہے کہ تبلیغ رسالت تمام انسانوں کی نسبت آل جناب سے ثابت نہیں بلکہ امر دعوت حضور سے شروع ہو کر یوں یا فیوما خلفائے راشدین اور آئمہ مہدیین کے واسطے سے ترقی کو پہنچا۔ یہاں تک کہ امام مہدی علیہ السلام کے واسطے سے تکمیل پائے گا۔ اسی نسبت کو مذکورہ امور میں وصایا کہا گیا ہے یعنی جس طرح وصی ادائے حقوق اور طلب میں منیب کا قائم مقام ہوتا ہے اسی طرح امام بھی ان معاملات میں جو خدا اور اس کے رسول کے درمیان منعقد ہوئے پیغمبر کا قائم مقام ہے۔

ان میں ایک ثبوت ریاست ہے یعنی جس طرح انبیاء اللہ کے لئے اپنی امت میں ایک قسم کی ریاست ثابت ہے کہ ان کی اس ریاست کے ملاحظہ سے لوگوں کو رسول کی امت اور رسول کو اس امت کا رسول کہتے ہیں اور بہت سے ذہوی امور میں بھی ان پر تصرف رسول کا اجرا ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْقُرْبَىٰ - ایمان والوں کے لئے نبی ان کی جانوں سے بہتر (احزاب) ہے۔

اور آخر کے مقدمات میں بھی اس کی ولایت ثابت ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

تَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ | پس کیا ہوگا جب ہر ایک امت سے ایک گواہ  
وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا - (النساء) | لایا جائے گا اور آپ کو ان پر گواہ بنایا جائیگا۔

اسی طرح امام کو بھی دنیا و آخرت میں اس ریاست کی مانند مبعوث الیہم سے نسبت ثابت ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے: السَّمْعُ تَعْلَمُونَ انی اولى بالمؤمنین من انفسہم قالوا بلی، فقال اللہم من کنت مولاهُ فعلى مولاه۔ (کیا تم کو معلوم نہیں کہ مومنین کے لئے میں ان کی جانوں سے بہتر ہوں صحابہ نے عرض کیا ہاں! پھر فرمایا: اے اللہ میں جس کا دوست ہوں، علیؑ بھی اس کا دوست ہے)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

يَوْمَ تَدْعُوا كُلَّ اِنْسَانٍ بِمَا هُم | جس دن ہم سب لوگوں کو بلائیں گے مع ان کے اماموں  
وَفِيْهِمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ - (نبی اسرائیل) | گئے اور انہیں ساتھ لے کر گئے ان سے سوال کیا جائیگا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہم مسئلو لون عن ولایتہ علی۔ وہ حضرت علیؑ کی ولایت کے متعلق سوال کئے جائیں گے

**نکتہ سوم** | امام، رسول کے سعادت مند فرزند کی مانند ہے اور تمام اکابر امت و بزرگان ملت ملازموں اور خدمت گاروں اور جاں نثار غلاموں کے مانند ہیں۔ پس جس طرح تمام اکابر سلطنت و ارکان مملکت کے لئے شہزادہ والا قدر کی تعظیم ضروری اور اس سے توسل واجب ہے اور اس سے مقابلہ کرنا نمک حرامی کی علامت اور اس پر مفاخرت کا اظہار بد انجامی پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا ہی ہر صاحب کمال کے حضور میں تواضع اور تذلل سعادت دارین کا باعث ہے۔ اور اس کے حضور میں اپنے علم و کمال کو کچھ سمجھ بیٹھنا دونوں جہان کی شقاوت ہے۔ اس کے ساتھ بیگانگی رکھنا رسول سے یگانگت ہے اور اس سے بیگانگی ہو تو خود رسول سے بیگانگی ہے خصوصاً اس وقت جبکہ نیابت پیغمبر بھی اللہ رب العزت کی طرف سے اسے تفویض ہو چکی ہو۔ اس بات کو ذیل کی مثال سے سمجھ لیجئے کہ ایک بادشاہ کے مقرروں میں سے ایک امیر جلیل القدر تمام اہل دربار میں خاص خدمت پر مامور اور ایک بلند منصب پر فائز ہے۔ اس کے ہاں ایک نیک بخت بیٹا ہے جو کہ اپنے باپ کے برابر لیاقت و تہنر رکھتا ہے اور باپ کے منصب کے لائق ہے اور باپ کے ہمراہ دربار شاہی میں آمد و رفت رکھتا ہے اور بادشاہ اور اراکین دربار کی نظروں میں یہاں تک عزت و اعتبار رکھتا ہے کہ اپنے باپ کی نیابت کا منصب اسے تفویض ہوا۔ پس اگر اس کے باپ کے رفقاء میں سے کوئی اس کے ساتھ شرکت کرے اور اس کے مقابلہ میں اپنے منصب پر تفاخر کرے تو بادشاہ کی طرف سے اس پر نمک حرامی عاید ہوگی اور مستوجب عتاب ہوگا۔ اسی طرح امام وقت سے سرکشی اور گروانی اس کے ساتھ گستاخی ہے اور اس کے ساتھ بلکہ خود رسول کے ساتھ ہمسری ہے۔ اور خفیہ طور پر خود رب العزت پر اعتراض ہے کہ ایسے ناقص شخص کو کامل شخص کی نیابت کا منصب عطا ہوا۔ الغرض اس کے توسل کے بغیر تقرب الہی محض خلیل و وہم اور ایک خیال ہے جو سر اسر باطل اور محال ہے۔

بے عنایت حق و خاصان حق      گر ملک باشد سیاہ گرد و دوق



نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حُب علی حسنة لا تضرمعہا سئیتہ و بغض  
 علی سئیتہ لا تنفع معہا حسنة۔ (علیؑ کی دوستی نیکی ہے جس کے ساتھ گناہ نقصان  
 نہیں کرتا اور علیؑ کی دشمنی ایک گناہ ہے جس کے سامنے کوئی نیکی فائدہ مند نہیں،)  
 اور فرمایا: الا ان مثل اهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من دكبها حجي ومن  
 خلف عضا هلك۔ (خبردار میرے اہل بیت تمہارے لئے کشتی نوح کی مانند ہیں جو سوار  
 ہوا بچ گیا اور جو رہ گیا ہلاک ہوا) زقنا اللہ وسائر المسلمین حب اهل البيت و  
 اتباعهم بل حب جميع ائمة الهدى و اتباعهم۔ امین یا رب العالمین۔

## صورتِ سوم۔ امامتِ تامہ

امامتِ تامہ کو خلافتِ راشدہ، خلافتِ علی منہاج التبوۃ اور خلافتِ رحمت بھی  
 کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ جب امامت کا چراغ شیشہٴ خلافت میں جلوہ گر ہوا تو نعمتِ ربانی  
 بنی نوع انسان کی پرورش کے لئے کمال تک پہنچی اور کمال روحانی اسی رحمتِ رحمانی  
 کے کمال کے ساتھ نورِ علیؑ نورِ آفتاب کی مانند چمکا۔ اگرچہ خلافتِ راشدہ کے قیام کے  
 لئے نعمت و رحمت حق و جل و علیؑ کی طرف سے تمام اور کامل ہوئی۔ لیکن کبھی اہل زمانہ  
 کی سعادت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ جمہور اہل اسلام خلافتِ راشدہ کے قبول پر  
 اتفاق کریں اور جان و دل سے خلیفہٴ راشد کی حکومت تسلیم کریں۔ تو خلافتِ ربانی  
 منظم ہو جاتی ہے اور سیاست ایمانی کا مقدمہ بخوبی انجام پاتا ہے۔ اس کو خلافتِ  
 منظم کہتے ہیں۔ بعض وقت تقدیرِ ربانی اور قضائے آسمانی کے بموجب خلیفہٴ راشدہ  
 ظہور فرماتا ہے اور امامتِ خلافت کے لئے بہت کوشش کرتا ہے۔ لیکن جمہور مسلمین  
 کا اتفاق صورت پذیر نہیں ہوتا اور امت کا انتظام ظہور میں نہیں آتا۔ اسے خلافتِ  
 غیر منظم کہتے ہیں۔

پس خلافتِ راشدہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک خلافتِ منظم جیسا کہ خلافتِ خلفائے  
 ثلاثہ۔ دوسری خلافتِ غیر منظم جیسا کہ خلافتِ علی المرتضیٰ۔ پس خلافتِ غیر منظم میں

امیر خلافت کا انتشار باوجود خلیفہ راشد ہونے کے ہدایت رسول کے اظہار کی قلت کے سبب سے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام پس جس طرح ظہور ہدایت کی تقلیل حضرت نوح علیہ السلام کے دامن پاک کو غبار آلود نہیں کر سکتی اسی طرح انتظام خلافت کا انجام نہ پانا کسی وجہ سے خلیفہ راشد (حضرت علیؓ) کے نقص کا باعث نہیں ہو سکتا۔ پس خلافت غیر منتظم کو اگر خلیفہ راشد کی موجودگی میں دیکھ لیں تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ خلافت راشدہ ثابت ہے۔ اور اگر عدم انتظام و تفرقہ اہل اسلام کے اعتبار سے دیکھیں تو کہیں گے کہ متحقق نہیں ہے پس جو کہ حدیث شریف "الخلافۃ بعدی ثلاثون سنتہ" (میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی) آیا ہے وہ اول الذکر خلافت کے بارہ میں ہے۔ اور بعض وہ احادیث جو ذوالنورینؓ کی خلافت کے اختتام پر دلالت کرتی ہیں وہ مؤخر الذکر کے اعتبار سے ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر ثقفی نے روایت کیا ہے کہ "ان رجلاً قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایت کان میزانا نزل من السماء فوزنت انت و ابو بکر فرجت انت و وزن ابو بکر و عمر فرج ابو بکر و وزن عمر و عثمان فرج عمر رفع المیزان فاستاء لہا رسول اللہ صلعم یعنی فساء ذلك فقال خلافة نبوة ثم یوتی اللہ الملك لمن یشاء۔" آنحضرت صلعم سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں آسمان سے ایک ترازو اترادیکھا ہے جس میں آپ کو اور ابو بکر کو تولا تو آپ بھاری ہوئے اور ابو بکر اور عمر کو تولا تو ابو بکر وزنی ہوئے پھر عمر اور عثمان تُلے تو عمر بھاری ہوئے۔ پھر ترازو اٹھائی گئی اس سے رسول خدا کو ناخوشی ہوئی۔ پھر فرمایا: یہ خلافت نبوت ہے پھر دے گا اللہ تعالیٰ ملک جسے چاہے گا،

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اری اللیلۃ رجل صالح کان ابابکر نیط برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نیط عمر یابی بکر و نیط عثمان لعمری قال جا بر فلما قمنا من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا اما الرجل الصالح فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اما نوط بعضهم

بعض فہم ولایۃ الامر الذی بعث اللہ بہ نبیہ صلعم۔ (خواب دیکھا ایک بار ایک نیک بخت آدمی نے کہ ابو بکر وراثت ہوئے رسول اللہ کے اور عمر ابو بکر کے اور عثمان عمر کے۔ کہا جابر نے جب ہم رسول اللہ کے پاس کھڑے ہوئے تو ہم نے کہا کہ نیک آدمی رسول اللہ ہیں اور ایک کا دوسرے کا والی ہونا، کام کی ولایت (وراثت) ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا)

خلافت منتظمہ کا انتظام کبھی کمال تک پہنچ جاتا ہے جس کی وجہ خلیفہ راشد کا اپنی خلافت کے زمانہ میں لوگوں میں مسلم ہونا اور خاص و عام میں اس کی عزت ہونا ہے کسی کو اس کے تسلط سے رنج و ملال نہیں پہنچتا اور نہ کسی کو اس کی لیاقت میں کلام ہوتا ہے۔ ہم اسے خلافت محفوظ کہیں گے۔ اور کبھی اہل زمانہ خلیفہ راشد کے تسلط سے رنج اٹھاتے اور اس پر طعن و ملامت کی زبان دراز کر دیتے ہیں لیکن حفاظت ربانی اور تائید آسمانی کے باعث ان کی رد و قدح لغاوت اور خروج تک نہیں پہنچتی۔ اور ان کا ملال قلبی خلع بیعت کی نوبت نہیں لاتا۔ اور خلافت کا انتظام بظاہر خلیفہ راشد کے حسب مرضی چلتا ہے اگرچہ اس کے احکام بعض اہل زمانہ کے دلوں پر شاق گزریں۔ اسے ہم خلافت مفتونہ کہتے ہیں۔ پس خلافت منتظمہ بھی دو قسم پر منقسم ہوئی۔ محفوظہ مثل خلافت شیخین اور مفتونہ مثل خلافت ذوالنورینؑ۔

پس خلافت محفوظہ تمام بنی نوع انسان بلکہ تمام جہان کے حق میں ایک نعمت عظمیٰ اور عنایت کبریٰ ہے۔ پس خلافت راشدہ اس صورت میں وجود خلیفہ راشد کے اعتبار سے بھی ظاہر انتظام اہل امت و ملت کے اعتبار سے بھی اور تمام اہل زمانہ کی رضامندی، یقین اور اطمینان کے باعث بھی ہر طرح محقق ہے۔ لیکن خلافت مفتونہ اگرچہ خلیفہ راشد کے وجود کے اعتبار سے انتظام ظاہری کے لحاظ سے موجود ہے لیکن باعتبار عدم اطمینان قلبی حکماً مفقود ہے۔ اسی بنا پر بعض احادیث میں اتمام خلافت کے بارہ میں ایک اشارہ حضرت فاروقؓ کی طرف ہے چنانچہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **بينا انا نائم رأيتني في قليب عليها ولو فترعت  
منها ما شاء الله ثم اخذها ابن ابي قحافة فنزع منها دلوًا ودلوًا  
نزع ضعف والله يعقر له ضعفه ثم اخذها ابن الخطاب من يد ابي بكر  
فاستحالت في يده غوبًا فلم ارعبقريًا يفري فرية حتى روى الناس وضر بوا  
بعطن** (دسوتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک کنوئیں میں ڈول پڑا ہے اسے میں نے کھینچا۔  
جب تک اللہ نے چاہا۔ پھر مجھ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لیا۔ پس اس نے ایک یا دو ڈول  
کھینچے اور اس کے کھینچنے میں ضعف تھا اللہ اس کے حال پر رحم کرے۔ پھر اس سے  
عمر رضی اللہ عنہ نے لیا اور اس کے ہاتھ میں بھلا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کوئی ایسا شخص  
نہیں دیکھا جو اس سے اچھا کھینچ سکے۔ سیر کر دیا اس نے لوگوں کو اور وہ خوب خوش  
ہوئے)

خلفائے راشدین کے درمیان انتظام اور امور خلافت کے سرانجام کے اعتبار  
سے جو تفاضل ہے وہ ایک عارضی امر ہے اصل کمال خلافت کے ساتھ اس کا تعلق  
نہیں۔ جیسے کہ انبیاء و مرسلین کی فضیلت قلت و کثرت ہدایت کے باعث ہے اور  
وہ تفاضل بھی عارضی ہے نہ کہ اصل منصب رسالت کی وجہ سے ہے۔ اس بیان  
میں چند امور ہیں جو کہ مطلق خلیفہ راشد کے احکام کے متعلق ہیں۔ ہم انہیں چند نکات  
کے ضمن میں بیان کرتے ہیں۔

**نکتہ اول | خلیفہ راشد وہ شخص ہے جو صاحب منصب امامت ہو اور سیاست  
ایمانی کے معاملات اس سے ظاہر ہوں۔ جو اس منصب تک پہنچا وہی خلیفہ راشد  
ہے۔ خواہ زمانہ سابق میں ظاہر ہوا خواہ موجودہ زمانہ میں ہو خواہ اوائل امت میں ہو  
خواہ اس کے آخر میں۔ خواہ فاطمی نسل سے ہو یا ہاشمی سے۔ خواہ نسل قصی سے ہو خواہ  
نسل قریش سے۔ اس لفظ خلیفہ کو مبرز لفظ خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ، خلیب  
اللہ یا صدیق اکبر، فاروق اعظم، ذو النورین، مرتضیٰ، مجتبیٰ اور سید الشہداء، یا ان کی  
مانند شمار نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک لقب بزرگان دین میں سے ایک**



اور بعد نبوت کے طریقہ پر خلافت ہوگی جو اللہ کے منشا تک رسگی پھر اسے بھی اللہ اٹھالیگا۔  
پھر بادشاہی ہوگی اور اسے بھی اللہ جب تک چاہے گا رکھے گا پھر اسے بھی اٹھالے گا۔  
پھر سلطنت جاہلانہ ہوگی جو منشاء باری تعالیٰ تک رسگی پھر اسے بھی اٹھالے گا اور اس  
کے بعد پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت ہوگی۔ پھر آپ چپ ہو گئے

اور یہ بھی امر ظاہر ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی خلافت، خلافت راشدہ  
سے افضل انواع میں سے ہوگی یعنی وہ خلافت "منتظمہ محفوظہ" ہوگی۔ کیونکہ ان کی تعریف  
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول

اللہ ذلک الیوم حتی یتبع اللہ فیہ رجلا من اهل بیتی یواطئ اسمہ اسمی و

اسم ابیہ اسم ابی میلان الارض قسطاً و عدلاً كما ملئت ظلماً و جوراً۔ (اگر دنیا میں  
کچھ باقی نہ رہے مگر ایک دن کہ ملبا کر دے اسے اللہ تعالیٰ یہاں تک کہ اٹھادے اللہ  
تعالیٰ ایک آدمی میرے اہل بیت سے میرے ہمنام اور اس کے باپ کا نام بھی میرے باپ  
کے ہمنام ہوگا پھر جائے زمین خوبی اور انصاف سے جیسا کہ بھری ہو ظلم اور جور سے)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتاہ ابدال الشام و عصائب اهل  
العراق فلیبا یعونہ۔ (شام کے ابدال اور عراق کے بزرگ اس کے پاس آکر بیعت  
کریں گے)

نیز فرمایا: و لیعمل فی الناس بسنتہ بنیہم ویلقی الاسلام یجبرانہ فی الارض  
دلوگوں کے درمیان ان کے پیغمبر کے طریق پر حکم کریں گے اور زمین میں اسلام پھیلائیں گے  
اور فرمایا: یرضی عنہ ساکن السماء و ساکن الارض لا تدع السماء من

قطرھا شیئاً الا صیبتہ مداراً و لا تدع الارض من نبا تھا شیئاً الا اخرجتہ حتی  
یتمنی الایماء الاموات۔ (ان سے آسمان اور زمین والے راضی ہونگے، آسمان بہت  
بینہ برسائیں گا اور زمین بہت نباتات اگائے گی حتیٰ کہ زندے موت کی آرزو کریں گے)

نیز وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: المہدی علیہ السلام  
یشبہ فی الخلق۔ (مہدی علیہ السلام خلق میں میرے مشابہ ہونگے)

یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ خلافت کا زمانہ اوائل امت یعنی زمانہ خلفائے اربعہ کا تھا یا اوخر امت میں مہدی علیہ السلام کا زمانہ ہوگا اور ان کے درمیان کا زمانہ معطل ہے کہ ہرگز اس میں خلافت راشدہ ظاہر ہونے کی نہیں۔ کیونکہ اکثر تابعین نے خلافت عمر بن عبدالعزیز کو بھی خلافت راشدہ میں سے شمار کیا ہے اور حدیث اول میں جو خلافت راشدہ کے عود کرنے کے متعلق مذکور ہوا اس سے خلافت عمر بن عبدالعزیز پر عاید کیا ہے۔ چنانچہ حضرت جبلیب نے جو تابعین کے زمرہ سے ہیں یہی حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف منسوب کی ہے اور اس کے اخیر میں یہ بشارت لکھی ہے کہ ارجوان تکون امیر المؤمنین بعد الملائک العاض والجبسریہ شریبہ واعجبہ۔ دس امید کرتا ہوں کہ تم عاض کی بادشاہی اور جبسریہ سلطنت کے بعد امیر المؤمنین ہو۔ پس خوش ہوئے اور اچھا معلوم ہوا۔ پس عمر بن عبدالعزیز نے بھی اس بشارت کو قبول فرمایا اور اس وجہ سے رد نہ کیا کہ یہ حدیث تو خلافت مہدی کی طرف مبشر ہے تو کیوں و ہوس کی خلافت پر محمول کرتا ہے۔ اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اذا رايتم الریات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوها ولو حبا علی  
 الثلج فان فیها خلیفة اللہ المہدی۔ (جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ جھنڈے آتے  
 دیکھو تو ان کے پاس چوڑوں کے بل برف پر چلتے ہوئے آنا چاہئے کیونکہ مہدی علیہ  
 السلام اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ان کے درمیان ہوگا)

اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جس مہدی کا ذکر ہے وہ مہدی موعود سے علاوہ ہے۔ کیونکہ مہدی موعود کا ظہور مدینہ منورہ میں ہوگا نہ کہ خراسان سے۔ اور یہ بھی خلیفۃ اللہ ہے کہ جملہ اہل اسلام کو اس کی اعانت اور رفاقت کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: یخرج رجل من وراء النہر یقال له الحارث حراث علی مقد متہ رجل یقال له منصور یمکن لال محمد کما مکنت قریش لرسول اللہ و جب علی کل موطن نصرہ۔ (ایک آدمی ماوراء النہر کی طرف سے پیدا ہوگا اسے حارث حراث کہا جائے گا۔ اس کے آگے ایک اور آدمی ہوگا جسے منصور کہیں گے۔ آل محمد

کو عزت دیگا جیسا کہ قریش نے اللہ کے رسول کو عزت دی۔ ہر مومن پر ان کی مدد واجب ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بزرگ جس کا حارث مؤید ہے اہل بیت سے ہوگا اور مہدی موعود کے علاوہ ہے اس لئے کہ مہدی موعود کو اولاً لشکر عرب کے اجتماع سے تائید ہوگی نہ کہ لشکر یا وراء النہر سے۔

پس خلافتِ راشدہ کے حال کو مملکتِ ظاہرہ کی طرح تصور کرنا چاہئے جو سلطنتِ عادلہ کے ساتھ ساتھ حکومتِ جابرہ بھی رکھے جیسا کہ کبھی سلطنتِ عادلہ ظہور کرتی ہے اور کبھی حکومتِ جابرہ اسی طرح کبھی خلافتِ راشدہ جلوہ گر ہوتی ہے اور کبھی مملکتِ ظاہرہ۔ قیامِ خلافت کے تغیر کو لیل و نہار کے تغیر کی مانند سمجھنا چاہئے۔ کہ رات کے بعد دن ہوتا ہے اور وہ پھر ظلمتِ شب میں گم ہو جاتا ہے اور پھر اس کا نور جوش مارتا ہے۔ نزولِ نعمت الہی یعنی ظہورِ خلافتِ راشدہ سے کسی زمانہ میں مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اور اسے مجیب الدعوات سے طلب کرتے رہنا چاہئے اور اپنی دعا کی قبولیت کی امید رکھنا اور خلیفہ راشد کی جستجو میں ہر وقت ہمت صرف کرنا چاہئے۔ شاید کہ یہ نعمتِ کاملہ اسی زمانہ میں ظہور فرمادے اور خلافتِ راشدہ اسی وقت ہی جلوہ گر ہو جائے۔

**نکتہ دوم** | خلیفہ راشد سائے رب العالمین، ہمسایۃ انبیاء مرسلین، سرمایۃ ترقی دین اور ہم پایۃ ملائکہ مقربین ہے۔ دائرۃ امکان کا مرکز، تمام وجوہ سے باعثِ فخر اور اربابِ عرفان کا افسر ہے دفترِ افراد النسی کا سر ہے۔ اس کا دل تجلی رحمان کا عرش اور اس کا سینہ رحمتِ وافرہ اور اقبالِ جلالتِ یزداں کا پر تو ہے۔ اس کی مقبولیت جمالِ ربانی کا عکس ہے اس کا قہر تیغِ قصا۔ اور ہر عطیات کا منبع ہے اس سے اعراضِ معارفۃ تقدیر اور اس سے مخالفت، مخالفتِ ربِ قدیر ہے۔ جو کمال اس کی خدمتگذاری میں صرف نہ ہو، خیال ہے پر از خلل اور جو علم اس کی تعظیم و تکریم کے بیان میں نہ لایا گیا سر اسروہم باطل و محال ہے۔ جو صاحبِ کمال اس کے ساتھ اپنے کمال کا موازنہ کرے وہ مشارکتِ حق تعالیٰ پر مبنی ہے۔ اہل کمال کی علامت یہی ہے کہ اس کی خدمت میں مشغول اور اس کی اطاعت میں مبذول رہیں۔ اس کی ہمسری کے دعوے سے



دستبردار رہیں اور اسے رسول کی جگہ شمار کریں۔

نکتہ سوم | خلیفہ راشد نبی حکمی ہے۔ گو وہ فی الحقیقت پائے رسالت کو نہیں پہنچا لیکن منصب خلافت احکام انبیاء اللہ کے ساتھ منسوب ہوا۔

اگرچہ مذکورہ بالا احکام آئندہ صفحات میں انشاء اللہ بالاستیعاب ذکر کئے جائیں گے لیکن دو تین احکام یہاں بھی نمونہ ذکر کر دئے جاتے ہیں۔ از انجملہ ایک تو نجاتِ اخروی ہے جس کا مدار ان کی اطاعت پر ہے چنانچہ اگر کوئی شخص معرفتِ الہی اور تہذیبِ نفس میں ہزار جہد و جہد اور سعی بلیغ کرے لیکن اگر ایمان بالانبیاء نہ رکھتا ہو تو ہرگز نجاتِ اخروی نہ پاسکے گا۔ اور غضبِ جبار و طبقاتِ نار سے ہرگز خلاصی نہ پائے گا۔ اسی طرح اگر چند عبادات اور طاعات دینیہ بجائے اور حکامِ اسلام میں پوری کوشش کرتا رہے لیکن جب تک امامِ وقت کی اطاعت کے آگے گردن تسلیم نہ کرے اور اس کی اطاعت کا اقرار نہ کرے، عبادتِ مذکورہ آخرت میں اس کے کام نہ آئے گی اور ربِ قیوم کی واروگیر سے خلاصی نہ ہوسکے گی "من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة الجاہلیة۔ (جس نے امامِ وقت کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: صَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَادُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَاطِيعُوا إِذَا أَمَرْتُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔ (پنج وقتی نماز ادا کرو، ایک ماہ کے روزے رکھو اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو اولی الامر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کے جنت میں داخل ہو جاؤ)

اور فرمایا: مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مَيِّتَةَ الْجَاهِلِيَّةِ۔ (جو کوئی مرا اور اس کی گردن میں بیعت (کا طوق) نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا)

ان آئینوں سے ایک عباداتِ شرعیہ ہیں جو اس کے حکم کے مطابق ہوں یعنی اگر عبادتِ دینیہ و طاعاتِ شرعیہ اگر سنت کے مطابق ہوں تو مقبول ورنہ مردود ہیں۔

چنانچہ صحت نماز جمعہ و عیدین اور جہاد و حدود و تعزیرات تمام امر امام پر موقوف ہیں چنانچہ ارشاد نبوی ہے: انما الاما مرجنة یقاتل من ورائہ و یتقی امر (امام ڈھال ہے اس کے پیچھے لڑو اور اس کے ساتھ بچو)

اور فرمایا: الغزو غزوان فامان ابغی وجہ اللہ و اطاع الامام و انفق الکرمیۃ و یأسر الشریک و اجتنب الفساد فان لومہ و نخبہ اجر کلہ و اما من غزا فخر اذ یاء و سمعہ و عصی الامام و افسد فی الارض فاند لم یرجع بالکفاف۔ (لڑائی و وقسم کی ہوتی ہے۔ جس نے اللہ کی خوشنودی تلاش کی اور امام وقت کی اطاعت کی اور اچھا مال خرچ کیا اور شریک کو آسانی دی اور جھگڑا نہ کیا۔ پس اس کا سونا اور جاگنا سب موجب اجر ہے۔ لیکن اگر کوئی فخر اور ریاست لڑا اور امام کے خلاف کیا اور فساد کیا تو وہ ناجور نہیں لوٹتا)

ان امور میں سے ایک معاملات بنی آدم اور وعدہ و اقرار ہیں جن میں امام کے حکم کا اجرا ہوتا ہے پس جیسا کہ اپنے وقت میں نبیؐ نے معاملات کے انعقاد میں دو شخصوں کے درمیان حکم فرمایا جیسے نکاح یا بیع و شری یا ان کی مانند کوئی اور معاملہ۔ پس وہ معاملہ حکم کے ساتھ خود بخود ہی منعقد ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں رہتی۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا ہے:

کسی مومن مرد اور عورت کو شایاں نہیں	وَمَا كَانَ لِلْمُؤْمِنِ وَلَا الْمُؤْمِنَةِ إِذَا
کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ	قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ
کرے تو پھر اپنی دخل دہی کرے۔	لَهُمْ خِيَرَةٌ مِنْ أَمْرِهِمْ۔ (احزاب)

ایسے ہی مذکورہ معاملات کا انعقاد امام یا اس کے نائب کے حکم سے خود بخود منعقد ہو جاتے ہیں اور کسی کو انکار کی مجال نہیں رہتی۔ مثلاً مسئلہ قضا۔ یعنی قاضی کا فیصلہ ظاہر باطن میں جاری ہوتا جیسا کہ شروع و متون میں صاف صاف مرقوم ہے۔

منجملہ ان کے امام کے حکم سے شرعی حکم کا ثبوت ہے یعنی اگر کسی فعل یا قول میں

عقل و ادراک سے ہزار منافع یا مضار ہوں اور ہزار وجہ عقلاً اس میں حسن و قبح پایا جائے۔ لیکن جب تک کہ منزل کتاب و حکم نبی مرسل سے اس کا جواز یا نہی ثابت نہ ہو اور اس کا وجوب یا حرمت شرعاً ثابت نہ ہو سکے۔ ایسا ہی اگر کسی قول یا فعل میں ہزار وجہ سے ابواب سیاست میں منفعت معلوم ہو لیکن جب تک امام یا اس کے نائب کا حکم اس سے ملحق نہ ہو اسے شرعی واجبات سے شمار نہیں کیا جاسکتا ایسا ہی اگر صحت یا بطلان دعویٰ پر یا اس کے حدود و تعزیر پر ہزار دلائل موجود ہوں اور سو گواہ گواہی دیں لیکن جب تک امام یا اس کے نائب کا حکم اس پر عائد نہ ہوگا ہرگز پایہ ثبوت تک نہ پہنچے گا۔ پس جیسا کہ احکام شرعیہ کا ثبوت نص نبوی ہے۔ اور حسن و قبح کے وجوہ کا عقلی بیان محض مخاطبین کی تسلی خاطر اور مخالفین کے لئے الزام ہے اور بس۔ ایسے ہی احکام عقود و معاملات، حدود و تعزیرات کا ثبوت امام یا اس کے نائب کے حکم سے ہے اور گواہوں کی شہادت کا اظہار اور منافع و مضار کا بیان محض تسلی خاطر حاکم ہے اور اس شخص کے الزام کی بنا پر ہے جو اس حاکم کو جو روستم کی طرف منسوب کرے۔

ایک ان میں سے یہ امر ہے کہ امام کا حکم نص حکمی ہے یعنی جس وقت مجتہدین کا اجتہاد اور قیاس آراؤں کا قیاس نص قطعی کے مقابل ہوتا ہے تو بے شک پایہ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے یعنی مذکورہ امور پر مخالفت نص کی صورت میں ہرگز قابل عمل نہیں رہتا۔ ایسے ہی جب مذکورہ امور امام یا اس کے نائب کے حکم کے متعارض ہوں تو پایہ اعتبار سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جس وقت مواضع اختلاف اور مسائل اجتہاد میں امام کا حکم دو جانب میں سے ایک جانب متوجہ ہو تو ہر مجتہد، مقلد، عالم، عامی، عارف اور غیر عارف پر واجب العمل ہوگا۔ کسی کو اس کے ساتھ اپنے اجتہاد یا مجتہدین سابقین کے اجتہاد یا اپنے الہام یا شیوخ متقدمین کے الہام سے تعرض نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی حکم امام کے مخالف کرے اور مذکورہ الصدر امور کے خلاف تمسک کرے تو بے شک عند اللہ عاصی اور اس کا عند رب العالمین،

انبیائے مرسلین اور مجتہدین اور علماء کے حضور میں قابل قبول نہ ہوگا۔ اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ اہل اسلام سے کسی کو اس کے ساتھ اختلاف نہیں ہے۔

ایک امر یہ ہے کہ قوانین ریاست اور آئین سیاست جو خلیفہ راشد سے ظاہر ہوتے ہیں، سنت نبویہ کا حکم رکھتے ہیں۔ پس خلفائے عظام کا طریقہ بمنزلہ سنن انبیاء کرام کے ہے اور مناظرات میں استدلال اور معاملات و عادات میں ان سے تمسک کافی و شافی ہے۔ پس اس کے آئین استنباط قبیل سنت سے ہیں نہ کہ جنس بدعت سے۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: انہ من لعش منکم بعدای فیسری

اختلافا لکثیرا فعلیکم بسنتی و سنتہ خلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بها و  
عضوا علیہا بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثۃ بداعۃ وکل بدعۃ  
ضلالۃ تم میں سے جو میرے بعد جئے گا بہت اختلاف دیکھے گا پس چاہئے کہ میرا اور خلفائے راشدین المہدیین کا طریقہ مضبوط پکڑے اور نئی باتوں سے بچتا رہے کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ایک امر یہ کہ امام مہتمم کے احکام سنت ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حکیم علی الاطلاق نے احکام شرعیہ کے اصول کو اپنی منزل کتاب میں بیان فرمایا اور ان کے فروع و شروط کو نبی مرسل کی زبان پر تفویض فرمایا۔ مثلاً اپنے ہمدوں کو اپنی کتاب میں اصل صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم فرمایا اور تعیین اوقات اور تعداد رکعات اور تمام ارکان و شرائط کو اور مال زکوٰۃ کے تعیین و نصاب اور اس کی مقدار وغیرہ کو اپنے رسول مقبول کے حوالے کیا۔ پس دین کے احکام کے اصول منزل کتاب سے بدلیل ثابت ہوں اور ان کے فروع کا مفہوم مسلسل حدیث سے ہونا چاہئے۔ پس کتاب اللہ و سنت بین کا مجموعہ دین و شریعت ہوگا۔ ایسے ہی بہت سے احکام ہیں جو اختلاف زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً بعض اوقات لشکر کشی کرنا حکم الہی سے ہوتا ہے مگر بعض اوقات بغیر اس کی مرضی کے بھی ہوتا ہے۔ اور لشکر کا کسی شہر وغیرہ میں مقام کرنا کبھی نافع دین ہوتا ہے اور کبھی مضر دین۔ پس ایسے احکام میں کوئی خاص حکم مطلقاً تعیین نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً یہ نہیں

کہہ سکتے کہ مطلق لشکر کشی واجب ہے یا ممنوع اور مطلق کوچ و مقام حلال ہے یا حرام۔ اسی بناء پر ان احکام کا تعین رائے امام کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور ان احکام کو بھی احکام شرع سمجھنا چاہئے نہ کہ رسوم عرفی سے۔ پس شرع مجموعہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور احکام خلیفہ اللہ سے مستفاد شدہ امور سے مراد ہے پس جیسا کہ کتاب و سنت اصول دین متین سے ہے، ایسا ہی حکم امام بھی اولیٰ شرع مبین سے ہے۔ اور جس طرح سنت کو کتاب اللہ سے دوسرا درجہ حاصل ہے ایسا ہی حکم امام، سنت رسول سے دوسرے درجہ پر ہے پس اصل کتاب اللہ ہے اور اسے واضح کرنے والی سنت نبویؐ اور اس کا بصدیق امام ہے۔ کتاب اللہ پر ایمان سب سے اول ہے اور ایمان بالرسول بعدہ اور خلیفۃ اللہ پر یقین تیسرے درجہ پر ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

<p>اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے اولی الامر میں ان کی بھی تابعداری کرو۔</p>	<p>يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ</p> <p>(النساء)</p>
---	--

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین۔ (میرا اور میرے خلفائے راشدین کا طریقہ لازم پکڑو) اسی بنا پر علمائے امت نے اطاعت امام کو غیر منصوصہ مقام میں صحت قیاس پر موقوف نہیں رکھا بلکہ اس کی اطاعت کو باوجود اس کے ضعیف قیاس کے بھی واجب جانا ہے۔ اور اس کے مخالف کو اگرچہ اس کا قیاس امام کے قیاس سے اظہر اور قوی ہو، جائز نہیں رکھا۔ اور اس میں راز یہی ہے کہ اس کا حکم بذاتہ اصول دین سے ایک اصل ہے اور اولیٰ شرعیہ سے ایک دلیل ہے جو صحیح قیاس سے قوی ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت کسی اور کے قیاس سے مستنبط ہو لیکن دوسرے کا قیاس اگرچہ صحیح ہو، ظنی ہے اور یہ حکم اگرچہ بنفس الامر قیاس سے مستند ہو لیکن قطعی ہے مثال اس کی یہ ہے کہ اجماع صحت قطعہ ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مستند اجماع نفس الامر میں ایک قیاس ہوتا ہے یا خبر غیر مشہور اور وہ بھی ظنی ہے۔

ایک امر یہ ہے کہ حکمِ امام بھی نصِ حکمی ہے۔ جو نصِ حقیقی سے دو سر مرتبہ پر ہے اور دیگر اولہ شرعیہ سے قوی ہے۔ چنانچہ بہت چیزیں ہیں جن کے بیان سے کتاب اللہ ساکت ہے اور سنتِ نبویہ ان کو واجب اور حرام بتاتی ہے۔ ایسے ہی بہت باتیں ہیں کہ دلائل کتاب و سنت کے ملاحظہ سے دونوں طرف دلائل موجود ہیں۔ پھر امام کا حکم انہیں واجب یا حرام ٹھہراتا ہے۔

ایک ان میں سے تعیین احکام کا اجرا بندہ امام ہے۔ مثلاً اگر کسی وقت کوئی مقدمہ یا سیاست سے پیش آئے یا مہماتِ دین سے کوئی مہم ظاہر ہو تو اگر امت میں پیغمبر موجود ہو تو ان کو لائق نہیں کہ اس پر سبقت کریں یا قبیل و قال شروع کر دیں یا آپس میں مشورہ کر کے کسی حکم کی تعیین کر لیں اور اپنے عقل و تدبیر اور رائے و قیاس کو دوڑائیں۔ بلکہ چاہئے یہ کہ آپ اس مقدمہ میں سکوت اختیار کریں اور اس مقدمہ کو پیغمبر کے حضور میں پہنچائیں اور منتظر رہیں کہ اس مقدمہ میں پیغمبر کیا حکم صادر فرماتا ہے اور کس طریق سے بیان فرماتا ہے۔ الغرض حکومت پیغمبر کا منصب ہے اور اطاعت امت کا مرتبہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

یا ایھا الذین امنوا لا تقبضوا  
بئین یدئنا اللہ ورسولہ و اتقوا  
ان اللہ سميعٌ علیمٌ۔ (حجرات)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے  
آگے نہ بڑھو اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ سننے  
والا جاننے والا ہے۔

اسی طرح لازم ہے کہ احکام کا اجرا اور مہمات کا انجام امام کے سپرد کیا جائے اور اس سے قبیل و قال اور بحث و جدال نہ کیا جائے۔ اور کسی مہم میں خود بخود اقدام نہ کیا جائے۔ اس کے حضور میں زبان کو بند رکھیں اور اپنی رائے سے سرانجام مقدمات میں دخل نہ دیں اور کسی طرح بھی اس کے سامنے استقلال کا دم نہ ماریں۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

واذا جاءکم امر من الامر  
او الخوف اذا عواہ وکوردودہ الی

اور جب ان کے پاس کوئی بات امن یا خوف  
کی آتی ہے تو اسے مشہور کرتے ہیں۔ اگر اسے

رسول یا اولی الامر کی طرف پھیر دیتے تو البتہ سمجھا جاتا کہ ان سے تحقیق کرتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کی پیروی کرتے اور تھوڑے ہی بچ جاتے۔

الرَّسُولِ وَالِىْ اُولَى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَ مِنْهُمْ وَّلَوْ كَانَتْ فِىْ رِجْلِ الشَّيْطَانِ اِلَّا قَلِيْلًا -  
(النساء)

الغرض خلافت کے کاروبار کو سیاستِ سلاطین کی طرح قیاس کرنا چاہئے نہ کہ ریاست و ہقانوں کی طرح۔

**نکتہ چہارم** | خلیفہ راشد رسول کے فرزند و لیعہد کی بجائے اور دوسرے آئمہ دین بمنزلہ دوسرے بیٹوں کے۔ پس جیسا کہ تمام فرزندوں کی سعادت مندی کا تقاضا یہی ہے کہ جس طرح وہ مراتب پاسداری و خدمت گزارى اپنے باپ کے حق میں ادا لاتے ہیں وہ تمامہ اپنے باپ کے جانشین بھائی سے بجالاتے ہیں۔ اور اسے اپنے باپ کی جگہ شام کریں اور اس کے ساتھ مشارکت کا دم نہ بھریں۔ بلکہ وزارت کے منصب پر مصلحت کا خیال رکھیں۔ ایسے ہی آئمہ ہدیٰ کی امامت کا تقاضا یہی ہے کہ جس طرح پیغمبر کی اطاعت اور اعانت بجالاتا ہے اسی طریق سے اپنے اختیار کی باگ خلیفہ راشد کے ہاتھ میں دے دیں اور ہر طریقہ سے اس کی تابعداری میں گردن تسلیم خم رکھیں۔ گو ان میں سے ہر ایک منازل و جاہت میں مانند علم اور مقامات و ولایت میں راسخ القدم اور نزول کلام الہام میں اس کے ساتھ مشابہت اور توجیہ خطاب میں شریک منصب بعثت اور رسالت میں ایک دوسرے پر فخر رکھنا اور ابواب ہدایت

لہ اس عبارت سے تقویۃ الایمان کے اس فقرہ کا جواب بخوبی ملتا ہے جس میں لکھا ہے کہ "جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرنی چاہئے۔" اور اس طرح کہ بڑے بھائی کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے کہ کہاں تک اس کی تعظیم کرنی چاہئے۔ جس پر بدعتی فرستہ حضرت شہید کو مطعون گردانتا ہے۔

کے فتح میں اس سے مساوات رکھتا ہو۔ لیکن سیاست کبریٰ و خلافتِ عظمیٰ کا مالک وہی خلیفہ راشد ہے جو بمنزلہ انبیائے اولوالعزم کے ہے اور مناصبِ ہدایت کے مالک تمام ائمہ دین ہیں جو انبیاءِ مرسلین کا نسل ہیں جس مقام سے ان کو منصبِ امامت عطا ہوا اسی مقام سے ان کو اطاعت و اعانت کا حکم پہنچا۔ پس جس طرح ہر ایک انبیائے مرسلین میں سے منصبِ امامت میں سے اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ مشارکت اور نزولِ وحی میں مشابہت رکھتا ہے۔ لیکن جیسا کہ بارگاہِ کریم مطلق سے انبیاءِ مبعوث ہیں اسی بارگاہ سے انبیائے اولوالعزم کے اتباع کے لئے مامور ہیں۔ اسی طرح تمام ائمہ ہدیٰ گویا بارگاہِ مالکِ علی الاطلاق و مالکِ بالاستحقاق سے منصبِ امامت کو پہنچے۔ اسی بارگاہ سے خلیفہ راشد کی اطاعت و اعانت پر مامور ہوئے۔

الغرض ائمہ ہدیٰ کے معاملہ کا خلیفہ راشد کے ساتھ اس طرح خیال کرنا چاہئے جیسا کہ فاروقِ اعظمؓ کا ابو بکرؓ صدیق کے ساتھ اور علی المرتضیٰؓ رضی اللہ عنہما کا فاروقِ اعظمؓ کے ساتھ اور جنابِ حسن مجتبیٰؓ کا حضرت مرتضیٰؓ کے ساتھ جنہوں نے باوجود کمالاتِ روحانی اور فضائلِ نفسانی سے موصوف ہوئے کے اپنے اختیار کی باگ خلیفہ راشد کے ہاتھ میں دے دی اور اس کی اطاعت کے لئے گردن جھکا دی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

## فصل ۲

### اقسامِ امامتِ حکمیہ

واضح ہو کہ کمالاتِ مذکورہ الصدر کے تحقیقی علامات و آثار ظواہر میں انبیاء اللہ کے ساتھ کوئی شخص مشابہت تو رکھتا ہو مگر ان میں کمی اور نقص پایا جاتا ہو۔ تو اس صورت میں امامت کے علامات و آثار موجود ہیں لیکن حقیقت مفقود امامت



حقیقیہ کی اقسام کا ذکر قسم اول میں مذکور ہو چکا لیکن امامتِ حکمیہ کی اقسام کا ذکر بھی ضروری ہے۔ پس جس طرح امامتِ حقیقیہ کی بے شمار قسمیں ہیں اسی طرح امامتِ حکمیہ کی اقسام بھی لاتعداد ہیں۔ یہاں ان تمام قسموں کی تفصیل مقصود نہیں ہے بلکہ بابِ سیاست کے اندر امامتِ حکمیہ کا دخل بیان کا مقصود ہے اور بس۔

میں کہتا ہوں کہ بابِ سیاست میں امامتِ حقیقیہ کا فقدان اور امامتِ حکمیہ کا حدوث بہ سبب اختلاطِ سیاستِ سلطانی یا سیاستِ ایمانی کے ہے۔ پس جس قدر کہ سیاستِ سلطانی، سیاستِ ایمانی میں مخلوط ہوگی اسی قدر امامتِ حقیقیہ مغلوب نظر آئیگی اور امامتِ حکمیہ غالب اور خلافتِ راشدہ گم اور سلطنتِ ظاہرہ ترقی پر ہوگی۔ پس سیاستِ ایمانی اور سیاستِ سلطانی کو یوں سمجھنا چاہئے جیسے میٹھا اور کھاری پانی۔ میٹھے پانی میں جس قدر کھاری پانی ملے گا اتنا ہی میٹھے پانی کی لذت منقود ہوگی اور آبِ شور کی نمایاں پس جس طرح شورِ پانی کا میٹھے پانی سے ملنے میں تفاوتِ مراتب ہے جو آبِ شیریں کے ذائقہ کے تغیر سے ظاہر ہوگا۔ ایسا ہی سیاستِ سلطانی کے مراتب کا سیاستِ ایمانی سے اختلاط، متفاوت ہے اسی کے مانند خلافتِ راشدہ میں تغیر پیدا ہوگا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اب شور کا شیریں پانی سے مخلوط ہونا چار مراتب پر تصور کیا جاسکتا ہے۔ اول یہ کہ اگر بہت سے صاف اور سرد شیریں پانی کے ساتھ اگر تھوڑا سا کھاری پانی اس قدر مل جائے کہ آبِ شیریں کے ذائقہ میں اس کی تمخی و تیزی ظاہر نہ ہو لیکن اس کی لطافت اور نفاست معدوم ہو جائے پس بطیف طبع اور نازک مزاج لوگ اس پانی کو پسند نہ کریں گے اور ایسے ہی جو لوگ میٹھا خالص پانی پینے کے عادی ہیں مذکورہ متغیر شدہ پانی کو ان کی طبیعت گوارا نہ کریگی۔ لیکن پیاسے کو وہ پانی مطہن اور نباتات کو شاداب کر سکے گا اور ہر ایک قسم کا کھانا اس سے پکایا جاسکیگا اور ہر طرح کے

کپڑے دھوئے جاسکیں گے۔ پس یہ پانی اگرچہ فی الحقیقت پانی کی خالص جنس سے نہیں لیکن آثار میں اس کے ہمزنگ ہے اور منافع میں یکساں۔

دوم یہ کہ شور پانی اس قدر مل جائے کہ اس کی تلخی اور تیزی مٹھے پانی کے ذائقہ میں اس قدر نمایاں ہو کہ ہر کس و ناکس کو اس کا پینا ناگوار اور اس کے ذائقہ میں اس کی شوریت کا اثر آشکار ہو۔ لیکن شدت تشنگی اس سے زائل ہو سکتی ہے اور سوزش و تفتگی کو اس سے تسکین ہو سکتی ہے اور دوسرے منافع میں بھی ایک طرح کا تغیر آسکتا ہے اور طعام میں بھی اس کی تلخی پائی جاتی ہے اور کپڑوں کی کدورت اور میل بھی اس سے قطعی زائل نہیں ہو سکتی اور سبزی و نباتات میں بھی پوری رونق نہیں آسکتی۔

تیسرے یہ کہ کھاری پانی مٹھے پانی میں اس قدر مخلوط ہو جائے کہ اس کی تلخی و حدت اس قدر ظاہر ہو جائے اور جلالت و لذت میں اس قدر تغیر ہو جائے کہ اسے عرف عام میں شور پانی کہا جائے گو عند الضرورت اپنی حاجات میں استعمال کریں مگر جہاں تک ممکن ہو اس سے گریز کریں اور اس کے استعمال سے پرہیز کریں اور صاف اور نفیس کپڑوں کو اس سے نہ دھوئیں اور لطیف و نازک پودوں کو اس سے سیراب نہ کریں۔ اگرچہ کثیف نباتات تمباکو وغیرہ کو اس سے پانی دیں اور اضطرار کے وقت کسی وجہ سے استعمال کر لیں۔

چہارم یہ کہ شور پانی مٹھے پانی میں اس قدر مل جائے کہ بالکل شور اور تلخ ہو جائے اور اس کی شیرینی بالکل زائل اور پانی کے منافع اس سے باطل ہو جائیں اگر مجبوراً گراہ کوئی اسے استعمال بھی کر لے تو اس کی حاجت پوری نہ ہو سکے اور اس کے فوائد سے کوئی فائدہ نہ حاصل ہو۔ مثلاً اگر کوئی اپنی پیاس بجھانے کو پیئے، تو پیاس دگنی ہو جائے۔ اگر کسی درخت کو اس پانی سے سینچا جائے تو وہ درخت جل جائے۔ اگر کوئی کھانا پکایا جائے تو وہ کھانا خراب ہو جائے اور اگر اس کھانے کو کوئی کھالے تو ضرر پہنچائے۔ پس اس صورت میں وہ پانی آب شیریں کی جنس سے

بالکل خارج ہوگا۔ جس جگہ ایسا پانی ہو وہاں کے طالبین آب کو کہنا پڑے گا کہ یہاں پانی مفقود ہے۔ اگر کوئی مسافر ایسے پانی کو اپنے ساتھ رکھے تو بے شک بے آب میدان میں شدتِ پیاس سے جان دے دیگا۔

اب ان مثالوں کے بعد ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور امامتِ حکیمہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس آزار کی اصل اور اس خاار کا تخم عبودیت کے مقام میں سراسر نقصان دہ ہے چنانچہ امام حقیقی کی ذاتِ پابریکات میں نبوتِ تامہ کی صفت رکھی گئی ہے جو اپنی ہوائے نفس کو پس پشت ڈالتے ہوئے محض رضائے ربانی کو اپنا قبلہ ہمت بناتا ہے اور اپنے نڈاؤ کے استفادہ سے بالکل پاک اور اپنے مولا کی رضا طلب کرنے میں چسپت و چالاک ہے، مقتضیاتِ نفس سے بالکل دستبردار اور اتباعِ ہواؤ ہو س سے بیزار ہے۔ ظاہر و باطن میں استقامت کے رنگ سے رنگین اور وزن مناسب میں سنگین ہوتا ہے اور ہر طرف سے اپنی آنکھیں بند کئے اور پاؤں کو باندھے ہوئے اپنے مولا کے روبرو بیٹھا رہتا ہے اور ماسوی اللہ کے علاقوں کو توڑے ہوئے، محبتِ غیرے سے منہ موٹے رکھتا ہے کہ: مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَالْبَعْضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے دشمنی کی اور اللہ کے لئے کچھ دیا اور اسی کے لئے منع کیا پس اس کا ایمان کامل ہوا، اس کی شان ہے وَمَنْ كَانَ اللَّهُ مَوَدًّا رسولہ احب الیہ مما سواہما۔ (جس کو اللہ اور رسول سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں) اس کے حال کی حقیقت ہے۔ بناؤ علیہ جس وقت ایسا شخص منصبِ خلافت کو پہنچتا ہے تو ابوابِ سیاست میں محض خدا کے بندوں کی اصلاح اور نیابتِ رسول اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے۔ اپنے نفع کے حصول کی آرزو اس کے دل میں نہیں گزرتی اور نہ کسی کے ضرر کا غبار اس کے دامن تک پہنچتا ہے اور اطاعتِ ربانی میں ہوائے نفس کی مشارکت کو شرک جانتا ہے اور کسی مقصد کا حصول سوائے رضائے حق کے اپنے دل کی خالص منزل کے لئے جنسِ کثافت خیال کرتا ہے۔ اسے بندگانِ خدا کی تربیت کے سوائے کچھ ظاہر میں مطلوب ہے اور نہ باطن میں مرغوب ہے۔ اسی لئے

جو بات قوانین سیاست ایمانی سے انحراف کا باعث اور آئین سیاست سلطانی کی طرف میدان کا سبب ہوگی اس سے ہرگز وقوع پذیر نہ ہوگی بلکہ اس امر قبیح کی آرزو کا اس کے دل میں گزرنے کا خطرہ بھی نہ ہوگا اور نہ امور نفسانی سے کوئی امر اسے راہ حقانی سے کسی غیر جانب کو لے جاسکے گا۔

لیکن امام حکمی بہت سی مقتضیات نفسانیہ سے بالکل پاک نہیں رہ سکتا اور نہ ہی علاقہ ماسومی اللہ سے بری ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر مال و منال اور جاہ و جلال کے حصول اور اخوان و اقربان پر فوقیت، امصار و بلدان پر تسلط کی آرزو اور دوستوں اور رقابتداروں کی پاسداری، مخالفین و اعداء کی بدخواہی اور لذات جسمانیہ اور مرغوبات نفسانیہ کے حصول کا خیال اس کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ بلکہ امور مذکورہ کو طلب کرنا اور سیاست کو اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنانا ہے۔ اور طریق حکومت کو حکمت عملی کے ذریعہ اپنی دلی آرزو تک پہنچانا ہے۔ پس یہی سیاست سلطانی ہے جو ابواب سیاست کو اپنے جلب منافع و دفع مضار کے لئے جاری کرتی ہے۔ اور یہی مذکورہ لذات جسمانیہ کا حصول جس وقت سیاست ایمانی سے مخلوط ہو جاتا ہے اسی وقت خلافت راشدہ مخفی اور سیاست سلطانی بر ملا ہو جاتی ہے اور لذات نفسانیہ کی طلب بحسب اختلاف اشخاص متفاوت ہوتی ہے۔ یہی ہواؤ ہوس بعض اشخاص پر اس قدر غالب ہو جاتی ہے کہ انہیں دین و ایمان کے دائرہ سے خارج کر دیتی ہے اور بعض پر اس قدر فسق و فجور کی حد تک پہنچا دیتی ہے اور بعض کو یہاں تک نقصان دیتی ہے کہ بوالہوسان آرام طلب کی لڑی میں منسلک کر دیتی ہے۔

اس ہواؤ ہوس کا اختلاط بھی سیاست ایمانی کے ساتھ چار مراتب پر خیال

کرنا چاہئے:

اول۔ باوجود ظواہر شریعت کی پاسداری کے طالب لذات نفسانی ہوتا ہے۔  
یعنی ظاہر شریعت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور نہ ہی فسق و فجور اور جور و تعدی کی راہ لیتا ہے۔ لیکن اپنے نفس کی راحت رسانی میں اس قدر کوشاں رہتا ہے کہ ظاہراً

شریعت سے مباحات سے شمار کرے۔ ہم سے سلطنتِ عادلہ کہتے ہیں۔  
 دوسرا۔ نفسانی لذات کی طلب اور جسمانی راحت کی خواہش اس قدر غلبہ کرتی  
 ہے کہ کبھی کبھی لذات کے حصول میں واثرہ شرع سے باہر ہو جاتا ہے اور ظالمان بے باک  
 اور فاسقان سفاک کی راہ تک جا پہنچتا ہے اور پھر اس پر پشیمان نہیں ہوتا اور نہ  
 اس سے توبہ کرتا ہے۔ اسے سلطنتِ جاہلہ کہا جائیگا۔

تیسرا۔ نفس کی پیروی اس قدر غالب آجاتی ہے کہ زمانہ بھر کا فاسق و عیاش  
 ہو جاتا ہے جبر و تکبر کی داد دیتا، ظلم و تعدی کی بنیاد ڈالتا اور عیش کے فکر میں  
 ہمت صرف کرتا اور مراتبِ تفریح کو کمال تک پہنچاتا اور فسق و فجور، تعدی و جور  
 کے طریقوں کو ملت و سنت کے شواہد کے مقابلہ میں فراہم کرتا ہے اور اسے اپنے  
 ہنر و کمال سے سمجھتا ہے۔ ہم اسے سلطنتِ ضالہ کہتے ہیں۔

چہارم۔ اپنے ساختہ و پرداختہ قوانین کو شرعِ متین پر ترجیح دے اور سنت و  
 ملت کے طریقہ کی امانت کرے۔ اور رد و قدح اور اعتراض و استہزاء کے ساتھ اس  
 سے پیش آئے اور اپنے آئین کے محاسن و منافع شمار کرتا رہے اور امورِ شریعت کو  
 عوام فریب باتوں کی مانند محض ہرزہ گردی اور بیہودہ سرائی میں سے سمجھے۔ اور ملک  
 العلماء کے احکام اور سنتِ سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخرجاتِ احمق فریب  
 و نادان پسند سے قرار دے اور الحاد و زندہ کی بنیاد رکھے۔ اسے ہم سلطنتِ کفر  
 کہیں گے۔

پس ان چار درجوں کو بالترتیب بیان کیا جاتا ہے :

## درجہ اول۔ سلطنتِ عادلہ

یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں سلطانِ عادل سے مراد یہ ہے کہ جاہ و جلال کی زیادتی،  
 عزت و اقبال کی محبت، اقران و انخوان کے درمیان امتیاز کا حصول، قریہ و شہر پر  
 تسلط کے منصب کی آرزو، فرمانروائی اور کشور کشائی کی خواہش، صغیر و کبیر پر

فوقیت، جنود و عساکر اجتماع، بقائے دوران و ازمان تک نام و نشان کی بقا، خزانہ و ذخائر کی کثرت، دوستوں اور رشتہ داروں کی پرورش اور دشمنوں کی سرزنش کا خیال، لذاتِ نفسانی اور راحتِ جسمانی، بلند عمارات، طبیعت پسند باغات، طعام ہائے لذیذ، لباسِ فاخرہ و نفیس، خوش رفتار گھوڑوں اور اسلحہ کارزار کے حصول کی ہوس، گلزار کی بہار دیکھنے، اشجار کے میوہ جات چھنے، معشوق ناز انداز سے معاشرت اور محبوبانِ طنائے کی صحبت، محافلِ طرب و نشاط و مجالسِ سرور و انبساط کے اہتمام، ہمنشینانِ سخنِ سخن کی صحبت اور عمر کو بغیر تکلیف و رنج کے بسر کرنے وغیرہ امور کا خیال اپنے دل میں رکھے اور انہیں اپنی سلطنت کے ثمرہ سے شمار کرے اور ان کے حصول میں بہر نوع جستجو کرے۔ لیکن لذاتِ مذکورہ کے حصول کے باوجود ظواہرِ شریعت کو ہاتھ سے نہ دے اور اس تمام تنگ و دو اور ان امور کی جستجو کے اثناء میں دینِ متین کے احاطہ سے قدم باہر نہ رکھے۔ الغرض نفسِ آمارہ اسے اس حد تک نہ کھینچ لے جائے کہ ظاہرِ شرع کی راہ سے اسے دور دراز لے جائے۔

تفصیل یوں ہے کہ اموال و اعمال میں وہ احکامِ شریعت جن کا حکم شریعت میں واضح نہیں اکثر امام کی رائے پر موقوف ہوتے ہیں۔ بلکہ امام وقت ان امور میں جو حکم فرمائے وہی حکم شریعت ہے۔ لیکن جو احکام افعال کے متعلق ہیں یعنی مقدارِ تعزیر کے تعیین کی مانند۔ کیونکہ جس گناہ پر حد شرعی معین نہیں ہے اس کی تعزیر کا طریقہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی جرم چند آدمیوں سے صادر ہوتا ہے تو امام وقت ایک کو ضرب و جلوس کا حکم دیتا ہے تو دوسرے کی تذلیل و تشہیر کا۔ مگر کسی کے لئے اس کو اس کے منصب سے معزول کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہے اور کسی کے حق میں صرف بے اعتنائی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور یہ سب باتیں درست اور ظاہرِ شریعت میں جائز ہیں۔ اس کا حکم ان مقدمات میں قابلِ قبول ہے اور اس پر اعتراض خروج از ایمان ہے۔

امور سلطنت سے ایک تفویضِ خدمات ہے کہ ایک شخص کو بلند منصب پر

پہنچاتا ہے اور دوسرے کو اس سے نچلے درجہ پر رکھتا ہے اور کسی کو اپنے پہلو میں بٹھاتا ہے کسی کو اس سے دور رکھتا ہے، کسی کو افسروں کا افسر بناتا اور کسی کو سپاہیوں کے افراد میں جگہ دیتا ہے۔ ایسے امور میں شریعت کی جانب سے اس پر کوئی اعتراض اور ملامت عائد نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر کوئی شخص ایسے امور کی بنا پر اس پر اعتراض کرے اور طعن کی زبان کھولے تو وہ عاصی مردود اور باغی مطرود ہے۔

امور سلطنت میں سے ایک قتل سیاست ہے۔ یعنی جرم کی بعض قسمیں ایسی ہیں کہ اگر وہ جرم کسی سے صادر ہو تو اگرچہ اس جرم کے صدور سے خواہ مخواہ مجرم کا قتل شرعاً واجب نہیں لیکن اگر امام کا قیاس اس کے قتل کا حکم دے تو جائز ہے کہ اسے قتل کرایا جائے۔

ایک امر صلح و جنگ ہے۔ بہت سے مرتد کافر اور جابر سرکش ہوتے ہیں کہ امام ان سے نرمی کی چال چلتا ہے اور بہت سے مومن عاصی اور مسلم باغی ہوتے ہیں کہ امام ان سے جنگ اختیار کرتا ہے۔ کسی کو اس صلح و جنگ کے بارہ میں قیل و قال یا بحث و جدال جائز نہیں ہے۔

لیکن جو احکام کہ اموال کے متعلق ہیں وہ تفصیل کے محتاج ہیں۔ یہاں اجمالاً اسی قدر سن لیجئے کہ مالِ غنیمت کے سوا بیت المال کے خرچ کرنے میں تمام مسلمانوں کی مساوات کا خیال رکھنا اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ اگر ایک کو کئی ہزار درم و دینار یک مشت بخش دے اور دوسرے کو ایک کوڑی بھی نہ دے تو اس محروم کو امام پر استحقاقِ حق کا دعویٰ نہیں اور نہ کسی اعتراض کی گنجائش ہے۔ بلکہ جو کوئی ایسے مقدمات میں امام پر معترض ہو کہ اس کی اطاعت سے دست بردار ہو جائے وہ بارگاہِ حق سے مردود اور مقامِ قرب سے دور ہے۔

الغرض ایسے مقدمات کی مثالیں اور ان کے اشبہ جو امام وقت کی رائے پر موقوف ہیں بہت ہیں۔ مگر نمونہ چند کا ذکر اس مقام میں کیا گیا ہے۔ اور انشاء اللہ ان معاملات کو دلائل و شواہد کے ساتھ دوسرے اور تیسرے باب میں بالاستیعاب ذکر کیا

جائے گا۔ یہاں صرف یہی مقصود ہے کہ مذکورہ امور میں خلیفہ راشد بھی دخل ہو سکتا ہے اور سلطان عادل بھی۔ لیکن خلیفہ راشد کے تصرفات کی بناءً نبی آدم کی تربیت، حال عالم کی اصلاح اور احکام ربانی والہام رحمانی پر ہے۔ اور گونا گوں معاملات جو اس سے صادر ہوتے ہیں اور نگارنگ احکام جو اس سے ظاہر ہوتے ہیں تمام تر انتظام امت کے لحاظ اور ملت کے نفع پر مبنی ہیں۔ اگر کسی کو عزت بخشے تو اس کی دوستی اور پاسداری قرابت کا خیال نہ کرنا چاہئے اور اگر کسی کی امانت کرے تو عداوت و مخالفت کا انتقام نہ سمجھنا چاہئے۔ غرض امام حسین امر کو انتظام امت کا باعث اور نفع ملت کا سبب جانتا ہے، دل و جان سے اس کی بجا آوری میں ہمت صرف کرتا ہے۔ جس کسی کو کسی خدمت کے لائق سمجھتا ہے وہ خدمت اسی کے سپرد کرتا ہے خواہ وہ پکا محب ہو یا قدیمی دشمن۔

ہاں سلطان عادل اگرچہ انہی مذکورہ امور میں تصرف کرتا ہے نہ کہ آثار سنت و احکام ملت کے تغیر میں، لیکن ان مختلف احکام میں اپنی نفسانی خواہش کی بھی رعایت رکھتا ہے۔ مثلاً دو آدمیوں سے ایک جرم صادر ہوا اور وہ جرم اس قسم سے نہیں کہ حد و شریعہ سے کوئی حد اس پر معین ہو بلکہ اس جلس سے ہے کہ اس کا بدلہ کوئی تعزیر ہو۔ پس ایک شخص کے حق میں ضرب و جلس کا حکم دیتا ہے اور دوسرے کے لئے صرف بے اعتنائی پر اکتفا کرتا ہے۔ پس خلیفہ راشد تو اس اختلاف حکم میں ان کے حال کی اصلاح کی رعایت مد نظر رکھتا ہے اور جب یہ معلوم کر لیا کہ پہلا شخص جلس و ضرب کے سواراہ راست پر نہیں آسکتا مگر دوسرا شخص صرف بے اعتنائی کے اظہار سے درست ہو سکتا ہے اور اگر اس کی زیادہ توہین کی جائے تو ممکن ہے کہ حمیت جاہلیت اس کے دامن گیر ہو جائے اور اس کی جان کے اتلاف تک نوبت پہنچ جائے۔ اسی بنا پر پہلے کو تو تعزیر شدید کا حکم دیتا ہے اور دوسرے کیلئے خفیف سی تعزیر پر کفایت کرتا ہے۔ مگر سلطان عادل کے لئے اس حکم کے اختلاف کا کبھی کبھی یہ سبب بھی ہوتا ہے کہ پہلے شخص پر طبعاً پر غضب اور انتقام طلب ہو۔ لیکن جیتنگ اس پر شرعی الزام نہ پائے تب تک اس کے انتقام پر آمادہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر الزام شرعی کی راہ نکالتا اور انتقام کا عزم دل میں رکھتا ہے۔ جب شرعی الزام اسی پر



عائد ہو گیا فوراً تعزیر شدیدی لگا دی۔

جب خلافت راشدہ اور سلطنت عادلہ کا فرق و امتیاز واضح ہو گیا تو معلوم کر لینا چاہئے کہ سلطنت عادلہ کے قیام سے گونا گوں شرعیات کو نفع پہنچتا ہے لیکن باطن میں نقصان دہ ہے۔ کیونکہ اس صورت میں بزرگانِ امت کو ایماناً گزند پہنچتا ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت دربارہ تہذیب اخلاق اور حسن خلق، اخلاص فی العمل، خیر خواہی خلق اللہ، تربیت عباد اللہ، تعظیم کبرائے امت و عظمائے ملت جو باعتبار فضائل دینیہ و کمالات شرعیہ واجب التعظیم و تکریم ہیں، برہم ہو جاتی ہے۔ اس زمانہ کے لوگوں کا منہ ہائے ہمت انہی چند فقہی مسائل کی یاد رہ جاتا ہے جن کے ذریعہ سلطان وقت کی گزند سے محفوظ رہ سکیں اور بدخواہ کو ان کے ذریعہ ملزم گردانیں یا ساکت کریں۔ اس سلطنت عادلہ سے اگرچہ قالب شرع قائم رہتا ہے۔ لیکن اس کے روح کو نقصان عظیم پہنچتا ہے۔ اس لئے اسے ملک عضوہ یعنی سلطنت گزند اس جگہ کہا گیا ہے جہاں خلافت راشدہ کے گزرنے کے بعد اس کے وجود کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے کہ هذا الاصلیٰ و نبوۃ و رحمتہ ثم یكون خلافتہ و رحمتہ ثم ملکاً عضوہ۔ (یہ کام نبوت اور رحمت سے شروع ہوا۔ پھر خلافت اور رحمت ہوگی۔ پھر بادشاہی سختی کی)

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ سلطنت عادلہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اعلیٰ۔ دوسری اسفل۔ اس لئے کہ ظواہر شرع کی پاسداری جو کہ سلطنت عادلہ کے لئے لازم ہے، یا تو خوفِ خالق کی بنا پر ہوگی یا مخلوق کی پاسداری ملحوظ خاطر ہوگی۔ پس اسی وجہ سے اول اعلیٰ ہے اور دوم اسفل۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ سلطان عادل جو ظواہر شرع کی پاسداری کرتا ہے اور اس کے احاطہ سے قائم باہر نہیں رکھتا۔ اس کی اس پاسداری کا باعث یا تو یہ ہے کہ ملک علی الاطلاق و مالک بالاستحقاق رب العزت بادشاہوں کے بادشاہ، ہر عاجز و ناتوان کے دستگیر کو بہر تعلیل و کثیر و صغیر و کبیر پر قادر سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو اس کی قدرت کے زیر فرمان جانتا ہے اور

یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ ایک روز رب العزت کے حضور میں محاسبہ کیئے حاضر ہوتا ہے اور گستاخی و شوخ چشتی کی سزا بلا ریب بھگنتا ہے اور اُس کے حضور میں صاحب اقتدار بادشاہ اور لاچار مسکین برابر ہیں اور اس کی عدالت پر چھوٹے بڑے کے لئے یکساں ہے۔ اور اس کے سامنے جبر و تکبر، ظلم و جور، فسق و فجور، تکبوت و وبال کا باعث اور تعذیب و نکال کا موجب ہے۔ ظالم و ستم گار آگ کے طبقات میں گرفتار اور سرکش و خود پسند اُس کے حضور میں ذلیل و خوار ہے اسی بنا پر نفس امارہ اسے اگرچہ میدانِ ضلالت کی طرف لے جانا چاہتا ہے لیکن خوفِ الہی دستگیری کر کے اُسے شتر بے مہار نہیں چھوڑ دیتا۔ بلکہ اگر کبھی وہ بتقاضائے بشریت دائیں بائیں مٹکنے لگتا ہے تو وہی خوفِ الہی اس کا ہاتھ پکڑ کر کشاں کشاں راہِ راست پر لے آتا ہے۔ پس وہ حاجاتِ نفسانیہ کی حدِ شرعی تک ایفا کرتا ہے اور بس۔ اگرچہ اس کے غصہ کی آگ چاہتی ہے کہ کسی عاجز و ناتوان پر تعدی کا ہاتھ دراز کرے۔ لیکن اس کے بدلہ پانے کے خوف سے اپنے کو جبراً و کرہاً باز رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کوئی شرعی الزام اس پر پاتا ہے تو اس وقت اپنے دیرنیہ غصہ کو ٹاپ کر تلے ہے۔ اور اگرچہ اس کا دل کسی معشوقہ کے لئے پیچ و تاب کھاتا اور اس کے وصال کا شوق اسے مضطرب کر دیتا ہے لیکن جب تک عقدِ نکاح نہیں کر لیتا ہرگز اس کے ساتھ وصل کا مرتکب نہیں ہوتا۔ ہاں اس کے نکاح کی طلب میں ہر طرف دوڑتا بھاگتا اور ہر طرح کوشش کرتا ہے۔ خواہ اپنے قیمتی وقت کو صرف کرے یا مال کثیر کو خرچ کرے۔ اسی طرح اس کا نفس اگرچہ متکبروں کی عادات کے اظہار کا تقاضا کرنے لیکن وہ اس حدیث کو ملحوظ رکھتا ہے۔ "الکبر یا دردانی والعظمت اذاری" (بڑائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے) اور جس قدر کہ اپنی امتیاز سے نشست و برخاست اور رفتار و گفتار میں مباحاتِ شرعیہ سمجھتا ہے انہی پر اکتفا کرتا ہے اور جاہلانہ و متکبرانہ عادات سے جو کہ شرعی محرّمات سے ہوں، باز رہتا ہے اور اگرچہ انبیاء اور خلفائے راشدین کی سیرت صاف صاف اس کے طریقہ کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتی لیکن کوئی شرعی اعتراض بھی اس پر عائد نہیں ہوتا۔

پس گویا ایمان کا اصلی شعلہ اس کے دل میں روشن تو ہے لیکن ہواؤں ہوس کا دہواں بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اور گلیقین کی برق اس کے دل پر چمکتی ہے لیکن تغیر نیت کی ظلمت اسے چھپائے ہوئے ہے جیسا کہ حضرت خذیفہؓ سے مروی ہے: أَنَّ  
قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرِّ قَالَ لَعْنَمُ - قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ  
ذَلِكَ الشَّرِّ خَيْرٌ قَالَ نَعَمْ وَفِيهِ دُخَانٌ قُلْتُ وَمَا دُخَانُهُ قَالَ كَيْسَتُونَ بَغَيْرِ سُنَّتِي وَ  
يَهْدُونَ بَغَيْرِ يَمَانِي۔ میں نے اسی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آیا اس بھلائی کے بعد بُرائی ہے؟ فرمایا ہاں! پھر میں نے عرض کیا کہ اس بُرائی کے بعد بھلائی ہوگی؟ فرمایا ہاں! اور اُس وقت خرابی بھی ہوگی۔ عرض کیا، خرابی کیسی؟ فرمایا کہ بعض لوگ میری سنت کے علاوہ طریقہ اختیار کرینگے اور میری ہدایت کے سوا ہدایت تلاش کریں گے۔

پہلی بھلائی سے مراد نبوت اور خلافت راشدہ کا زمانہ ہے۔ اور شر سے مراد خلافت راشدہ کے آخر میں امت کا تفرقہ ہے اور خیر ثانی سے مراد سلطنت عادلہ ہے اور اس حدیث میں جو لفظ دُخَانٌ ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ یہ حکومت سلطنت ہوگی نہ کہ حکومت خلافت راشدہ۔ میں اسی سلطنت کو سلطنتِ کاملہ کہتا ہوں۔

یا طواہر شریعت کی پاسداری کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ خوفِ الہی تو اس حد تک نہیں ہوتا کہ نفسِ آمارہ کو روک سکے البتہ مخلوقات سے شرم کھانا اس کے دامن کو نہیں چھوڑتا کہ نفسِ آمارہ سے احاطہ شرع سے باہر لے جائے۔ اور اس شرم کے اسباب مختلف ہوتے ہیں کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ جس ملک میں اس کی سلطنت ہوتی ہے اُس ملک کے معزز لوگ دیندار اور ظاہر شرع سے دلچسپی رکھتے ہوں یا اس ملک کے رسم و عادات میں تشریح ہو اور ہر کس و ناکس اس سے تمسک کرنے والا اور ہر مومن و منافق اس میں مقید ہو۔ اسی بنا پر سلطان مذکور جانتا ہے کہ اگر علانیہ شرع شریف سے مخالفت کریگا تو بہر صورت تمام لوگوں میں بدنام ہو جائے گا یا خاص و عوام اس پر بلوہ کر دینگے یا اکابر مملکت و ارکان سلطنت اس سے بیزار ہو کر

اس کی اطاعت سے دست بردار ہو جائیں گے۔

یا اس وجہ سے بھی ظاہر شریعت کی پاسداری کریگا کہ سلاطین عالی قدر یا خاقان  
 ذوی الاقدار میں سے کوئی سلطان اس ملک میں منصب سلطنت پر فائز ہو گا ہے  
 اور دیانت و عدالت کے سبب خاص و عام میں نیک نام ہوا ہے اور اس موجودہ  
 سلطان کے زمانہ تک اس کا نام نیک ہر شہر و قصبہ میں شہرت پائے ہوئے ہے تو  
 اگر وہ نیک نام سلطان اس موجودہ سلطان کے آباؤ اجداد سے ہو گا تو یہ جانتا ہے کہ لوگ  
 اسے فرزند سعید و جانشین رشید بھی جانیں گے کہ اس کا آئین اپنے دادا کے قوانین  
 کے مطابق ہو ورنہ اسے ناخلف بیٹا اور جانشین بد کہیں گے۔ اور اگر اس کے آباؤ  
 اجداد سے کوئی سلطان کامل ہو، تاہم وہ چاہتا ہے کہ نیک نامی کی خاطر مساوات  
 پیدا کرے اور اس بارے میں اپنے آباؤ اجداد سے بڑھ چڑھ کر بنے تو اس صورت  
 میں یہ حکمران مذکورہ سلطان سے ظواہر شرع میں قصداً زیادہ استقامت دکھاتا ہے۔  
 یا اس کی شرم کا باعث یہ ہوتا ہے کہ اس کی سلطنت کا زمانہ خلافت راشدہ  
 کے زمانہ کے قریب واقع ہوا تو وہ جانتا ہے کہ اگر اس کا آئین خلافت راشدہ سے بالکل  
 مخالف ہو گا تو ضرور ہے کہ تمام چھوٹے بڑے اس سے متنفر اور بیزار ہو جائیں گے اور  
 اپنے اختیارات کی باگ اس کے ہاتھ میں نہ دینگے۔ اسی بنا پر ظاہر شریعت کو ہاتھ  
 سے نہیں دیتا اور حدود شریعت سے قدم باہر نہیں رکھتا۔ لیکن جس جگہ اہل تکلف و  
 تصنع کے افعال اہل صدق و اخلاص کے افعال سے ممتاز ہوں ایک ادنیٰ صاحب  
 فراست بھی بخوبی سمجھ لیتا ہے اور اپنے دل میں پوری طرح محسوس کرتا ہے کہ اس شخص  
 کے افعال محض ایک صورت ہے بے جان اور ایک قالب ہے بغیر روح کے۔ بنا بریں  
 اس کا تشرع اور دیانت ہر مومن کو پسند بھی ہے اور ناپسند بھی۔ پسندیدگی اس لئے  
 کہ وہ ظاہر امور شرعی کا پابند ہے اور ناپسندیدگی اس لئے کہ اس کا وقوع مکار و  
 ریاکار آدمی کا سا ہے۔ پس اس کے افعال مومنین مخلصین کی نظر میں معلوم ہیں اور  
 منکر بھی ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: یكون علیکم امراء

تعارفون و تنکروں۔ تم میں ایسے حکمران بھی ہونگے کہ ان کے افعال کو تم اچھا بھی جانو گے اور بُرا بھی، اور ہم اس سلطنت کو سلطنتِ ناقصہ کہیں گے۔

یہاں چند باتیں قابل ذکر ہیں جن کو بصورتِ نکات بیان کیا جاتا ہے:

**نکتہ اول** | سلطانِ کامل، حکمی خلیفہ راشد ہے یعنی اگرچہ خلافتِ راشدہ تک نہیں پہنچا لیکن خلافتِ راشدہ کے عمدہ آثار بعض طواہر شریعت کی خدمت صدق و اخلاص سے اس سے صادر ہوں۔ پس اگر کسی وقت سلطانِ کامل تخت سلطنت پر متمکن ہو اور اس وقت امامِ حق کا بھی وجود ہو جو خلافت کی لیاقت رکھتا ہے تو مناسب یہ ہے کہ امامِ حق منصبِ امامت پر قناعت کرے۔ اور اپنی کوشش ہدایت و ارشاد کی طرف مبذول کرے۔ اور سلطان کے ساتھ امورِ سیاست میں دست و گریباں نہ ہو اور رعایا اور لشکر کو جنگ و جدال کے بپا کرنے میں بے سرو سامان نہ کرے۔ اگرچہ خلافتِ راشدہ کا منصبِ اعلیٰ اس کے ہاتھ سے جا رہا ہے لیکن عباد اللہ کی خیر خواہی کے مد نظر اس امر کو گوارا کرے اور راضی بقضائے ہوئے اور تمام مسلمانوں پر اس کو تصدیق کر دے۔ جیسا کہ امامِ حسن رضی اللہ عنہ نے سلطانِ شام (امیر معاویہ) سے یہی طریقہ اختیار کیا اور مخالفت کا دروازہ نہ کھولا۔ اسی مصالحت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور فرمایا: ان ابني لهذا سيد لعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين۔ (میرا یہ بیٹا سید ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اس کے باعث اللہ تعالیٰ صلح کرادے)

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ سلطانِ کامل پر امت کا اجماع کرنا خدا اور رسول کے منشاء کے مطابق ہے اور اس کی اطاعت درگاہِ خداوندی میں مقبول ہے۔

**نکتہ دوم** | سلطانِ کامل سلاطین اور خلفائے راشدین کے درمیان ایک پرزخ کی طرح ہے اگر لوگ دیگر سلاطین کو دیکھیں تو اس سلطانِ کامل کو خلیفہ راشد تصور کریں اور اگر خلفائے راشدین کا حال معلوم کریں تو اسے سلطانِ کامل

سمجھیں چنانچہ سلطانِ شام (حضرت معاویہؓ) نے فرمایا: لست فیکم مثل اچی  
 بکن و عمر و لکن ساترون اصرامن بعدی۔ (میں تم میں ابو بکرؓ اور عمرؓ جیسا حکمران  
 تو نہیں ہوں لیکن میرے بعد عنقریب امیر دیکھو گے) بنا برین اس کی سلطنت کا  
 زمانہ زمانہ نبوت اور خلافتِ راشدہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے پس اس وجہ سے  
 یہ کہہ سکتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے زمانہ کی ابتدا سے اس سلطنتِ کاملہ کا زمانہ گزر  
 جانے تک ترقیِ اسلام کا زمانہ ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے: تداور ریحی

الاسلام خمس وثلاثین اوست و ثلاثین اوسبع و ثلاثین فان یھلکوا فبیل  
 من ھلک وان یقیم لھم دینھم یقیم لھم سبعین عاما۔ (اسلام کی چکی مینتیس چھتیس یا  
 سینتیس سال چلے گی۔ پس اگر وہ ہلاک ہوئے تو ہلاکت کا راستہ ہے اور اگر دین کو  
 قائم کیا تو ستر سال قائم رہیں گے)

لفظ "ان یھلکوا" ظہورِ فتن اور خلافتِ راشدہ کے انتظام کے نخل کی طرف  
 اشارہ ہے جو اُس زمانہ کے آخر میں ہوئی اور کلمہ "ان یقیم لھم دینھم" ترقیِ دین کی طرف  
 اشارہ ہے جو زمانہ ظہورِ شوکتِ نبوت و خلافتِ راشدہ اور سلطنتِ کاملہ میں ہوئی۔  
 ایک اور حدیث میں وارد ہے تعوذوا باللہ من داس السبعین (ہر ستر  
 برس کے شروع میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو) یہ کلمہ سلطنتِ کاملہ کے گزر جانے کی  
 طرف اشارہ ہے۔

سوان تینوں زمانوں کے مجموعہ کو زمانہ بרכת قرار دیا ہے۔ کیونکہ شر و فساد جو  
 قابلِ تعوذ ہے وہ سلطنتِ کاملہ کا زمانہ گزر جانے کے بعد ظاہر ہوگا۔  
 سلطانِ کامل بھی نیابتِ رسالت سے ایک طرح کا حصہ وار کہا جاسکتا  
 نکتہ سوم | اگرچہ اُس کی ریاست کو خلافتِ نبوت نہیں کہا جاسکتا لیکن سلطنت  
 کہنا جائز ہے جیسا کہ سابقہ کتب سماوی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت  
 میں نازل ہوا۔ مھاجرۃ طیبۃ و مملکۃ بالشام (اس کی ہجرت گاہ مدینہ طیبہ  
 ہوگی اور ملک یعنی سلطنتِ نبوت شام میں ہوگی)

پس جس طرح نبی کی اطاعت و فرمانبرداری کرینگے ویسا ہی سلطانِ کامل کے بارہ میں کرنا ہوگا۔ اگرچہ انوارِ ہدایت کا حصول اور آثارِ دیانت کا اتباع، تہذیبِ اخلاق اور تکمیلِ مقامات میں تقرب الی اللہ کا طریقہ اور خلق اللہ سے حسن معاشرت اور تربیتِ عباد اللہ اس سے سیکھا نہیں جاسکتا۔

**نکتہ چہارم** چونکہ سلطانِ کامل ایمان و اخلاص رکھتا ہے اور نیک کام اس کے ہاتھ سے انجام پاتے ہیں اور ظواہرِ شریعت کی ترقی اس کے اقبال سے رونق حاصل کرتی ہے لہذا جو کچھ کہ تقاضائے بشریت سے تہذیبِ اخلاق وغیرہ کے بارہ میں اس سے بعض امور خلافِ سنت ظاہر ہوں ان سے چشم پوشی کرنی چاہئے۔ اور اس کی خیر خواہی میں دل و جان سے کوشاں رہنا چاہئے۔ اس کی تھوڑی کوشش کو زیادہ جانتا اور چھوٹے کام کو بڑا کام تصور کرنا چاہئے۔ اگرچہ لذاتِ نفسانیہ پورا کرنے میں بھی مشغول ہے۔ لیکن دین رب العالمین کی خدمت گزار ہی میں بھی تو مصروف ہے۔

کمال صدق و محبت ہیں نہ نقص و گناہ  
کہ ہر کہ بے ہنر آفت نظر بہ عیب کند

## درجہ دوم سلطنتِ جاہرہ

جاننا چاہئے کہ سلطانِ جاہر سے وہ شخص مراد ہے جس پر نفسِ امارہ اس قدر حکمران ہو کہ نہ تو اسے خوفِ خدا مانع ہو سکتا ہے اور نہ مخلوقات کی شرم اور نفس کی فرمانبرداری میں نہ تو شرع کا لحاظ رکھتا ہے اور نہ ہی عوام کی پاسداری کا خیال نفسِ امارہ جو بھی اسے کہے بلا کلف بجالاتا ہے اس بات کی پرواہ نہیں رکھتا کہ شریعت کی مخالفت ہے یا موافقت بلکہ اپنی لذاتِ نفسانیہ کے پورا کرنے کو اپنی سلطنت کا مشرہ سمجھتا ہے۔ ہم اسے ہی "سلطنتِ جاہرہ" کہتے ہیں۔ جاہر سلاطین شریعت کی مخالفت میں بمقتضائے اختلافِ طبائع مختلف ہوتے ہیں۔ کسی کو تکبر و جبر مغرب خاطر ہوتا ہے

کسی کو ناز و نخبتر، کسی کو تعدی و جود، کسی کو فسق و فجور، کسی کو مسکرات کا استعمال، کسی کو لذیذ کھانے، کسی کو نفیس لباس، کسی کو لہو و لعب کسی کو نشاط و طرب بھاتا ہے۔ الغرض نفس اتارہ کی ہوا و ہوس کے بے شمار طریقے اور نفس پرستی کے مقدمات ہزاروں ہیں۔ اگر ان کی تفصیل کی جائے تو برسوں تک بھی انجام کو نہ پہنچے۔ ہاں اس کے چند اصول اور بے شمار فروع ہیں۔ ان میں ایک تو سفاہت (بیوقوفی) ہے۔ جو شخص عقل و دانائی نہیں رکھتا اور اپنی ہمت کو دوراندیشی کی طرف متوجہ نہیں کرتا۔ اس نے استقامت سے حصہ نہ پایا اور ہرگز ثبات کی راہ پر نہ چلا سکیں و وفا کو ایک بھوکے برابر نہیں سمجھتا اور تنگ و عار کو خیال میں نہیں لاتا اور جو چیز اسکے خیال میں آئے اسی کو ہی چاہتا ہے کہ عمل میں لائے اور اس کی منفعت و مصرت کے بارہ میں ہرگز تامل نہیں کرتا اور انجام کار کی طرف ہرگز خیال نہیں دوڑاتا۔ بلکہ دیوانہ وار بچوں کی طرح اس کے پیچھے لگ جاتا اور شتر بے مہار کی طرح ہر جگہ منہ کھول دیتا ہے جب ایسا شخص منصب سلطنت تک پہنچتا ہے تو سلطنت کے تمام کاروبار و رسم برہم کر دیتا ہے۔ اس کے افعال نہ تو شرعی قانون کے مطابق ہوتے ہیں اور نہ ہی عوام کے طریقہ کے موافق۔ اس سلطنت کے قیام سے ہر کس و ناکس نالاں اور ہر صغیر و کبیر آہ و فغاں کرتا ہے۔ یہ ایک بلائے عظیم ہے کہ ہر عاقل و بے وقوف اس سے گریز کرتا اور ہر غافل و ہوشیار اس سے پرہیز کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعيدك بالله من امة السفهاء وقال تعوذوا بالله من وامن وامن سبعين وامارة الصبيان۔ میں نے تجھے بے وقوفوں کی امیری سے اللہ کی پناہ کی تعلیم دیتا ہوں۔ اور فرمایا پناہ مانگو اللہ تعالیٰ کی ہر ستر سال کے شروع میں اور لڑکوں کی امارت سے

اور فرمایا: هالك امتي على يدي علمة من قرشي۔ دمیری امت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں سے ہلاک ہوگی، ان میں سے ایک عیاشی کی راہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض لوگ جلی عادت کے موافق قوت شہوانی سے مغلوب ہوتے ہیں اور ان کی تمام ہمت لذاتِ نفسانیہ کے



القا اور جسمانی راحت کے حصول میں مصروف اور انکی عقل عیباشی کے دقائق میں مشغول ہوتی ہے  
 رات دن طعام مرغوب و لباس خوش اسلوب و شرب خمور اور دیگر مسکرات جو کہ فرح و  
 سرور کے پیدا کرنے والے ہوتے ہیں کے دقائق میں رہتے ہیں اور شطرنج بازی و مزار  
 نوازی اور محافل رقص و سرود کے مقرر کرنے اور اعلام و جماع کے انہماک اور بناء بلند  
 عمارات و تفریح بسا تین دل پسند و غیر با میں غور و فکر کرتے اور فسق و فجور کی داد دیتے  
 رہتے ہیں جب ایسے شخص منصب سلطنت کو پہنچتے ہیں تو دقیقہ شناس عاقل جوان کے  
 حضور میں جمع ہوتے ہیں جب ان کی رغبت مذکورہ امور کی طرف دیکھتے ہیں تو ابواب  
 لہو و لعب و نشاء و طرب کے اسباب کے استخراج و حصول میں سعی بلیغ بجالاتے ہیں۔  
 اور اسے ایک طویل و عریض فن بنا دیتے اور اسے کمال تک پہنچا دیتے ہیں اور ایسے  
 سلاطین بھی ایسے ہی اہل فن کو اپنا ہم نشین و خیر خواہ سمجھتے ہیں اور اپنی بارگاہ کا  
 مقرب بنا دیتے ہیں۔ پس ان میں سے جو کوئی بر ملا عیاشی، بے حیا، نقال، جملہ باز  
 دیوت، مفتی و مزار نواز ہوتا ہے وہی مقرب دربار و معظم درگاہ ہوتا ہے۔ یہ فسق و  
 فجور سوائے اسراف کے کمال کو نہیں پہنچتا اور اسراف سوائے کثرت مال کے ناممکن  
 ہے۔ اسی واسطے حصول مال کے لئے کئی وجہ کی ظلم و تعدی اس سے صادر ہوتی ہے  
 اور رعایا پر دست درازی اور ملک میں فساد کی راہ برپا ہو جاتی ہے اکثر غریب و  
 ضعیف لوگ بے خانماں اور اہل تجارت و زراعت بے سرو سامان ہو جاتے ہیں۔  
 کبھی یہی فسق و فجور، ارباب شگ و ناموس و اہل عزت کی پردہ درسی اور بے عزتی  
 کا باعث ہو جاتا ہے اور یہی ملک کی بربادی کا باعث بھی ہو سکتا ہے جس وقت  
 سلطان وقت لہو و لعب و نشاء و طرب میں مشغول ہوا ضرور عدالت و حفاظت کا  
 حال خراب ہو جاتا ہے۔ پس رعایا آپس میں ظلم کرنے لگ جاتی ہے۔ الغرض سلاطین  
 کا فسق و فجور ظلم و تعدی اور فساد ملک کی خرابی کا باعث ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی  
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انّ هذا الامر بلاء و توبة و رحمة ثم یكون خلافة و رحمة  
 ثم ملکاً عضو ضائم ملکاً جبریة و عتوا و فساداً فی الارض یستقلون الحریر

والفروج والخنزیر یزقون علی ذالک ویصرون حتی یلقوا اللہ۔ (یہ کام نبوت اور رحمت سے شروع ہوا، پھر خلافت اور رحمت ہوگی، پھر سخت بادشاہی، پھر سلطنت زیادتی اور ظلم کی اور پھر ملک میں فساد ہوگا۔ حریر، فروج اور شراب کو حلال جائیں گے روزی اور فتح اسی پر ہوگی یہاں تک کہ اللہ سے ملیں،

اور ایسی فسق و فجور کی سلطنت امت و ملت کے حق میں بلائے عظیم ہے۔

کیونکہ ارباب دانش و دیانت ایسے سلاطین وقت سے دور بھاگتے اور ان کی صحبت سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور ان کی مجلسوں اور محفلوں میں داخل نہیں ہوتے اور ان کا تقرب حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ اسی وجہ سے ان کی معاش میں کمی ہو جاتی ہے اور اطمینان قلبی حاصل نہیں ہوتا کہ اصلاح آخرت میں کوشاں اور طلب راہ حق میں مشغول ہو سکیں۔ اور اگر ان کا تقرب چاہیں، اور مقربوں کی راہ اختیار کریں تو اول تو اپنے دین و ایمان سے دستبردار ہو جائیں اور ننگ و عار سے علیحدہ ہو کر فحش گوئی کو اپنا کمال سمجھیں اور سرود سرائی کو اپنا ہنر خیال کریں۔ پس چارہ کاری ہے کہ اصل دین و ایمان کو برباد نہ کریں اور ہرگز ان کی ملازمت اختیار نہ کریں۔ اور دل میں ایسا خیال بھی نہ لائیں کہ اپنے دین کو محفوظ رکھتے ہوئے بقدر ضرورت اصلاح معاش کے لئے ان کے حضور میں تھوڑی کوشش بھی نہ کریں۔ یہ پُرخلل خیال سراسر باطل و محال اور وہم ہے۔

ہم خدا خواہی وہم دنیاے دوں این خیال است و محال است جنوں  
ان میں سے ایک حُب مال ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ بعض اشخاص حُب مال میں مجبور ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ اجتماع اموال سے نفس مسرور ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ مال کو اپنی لذت نفسانیہ میں صرف نہ کریں۔ مگر وہ جمع مال کو ہی ایک بڑی لذت خیال کرتے اور اس کی کثرت کو بہترین راحت سمجھتے ہیں۔ جس وقت اپنے خزانوں و دفائن پر نظر کرتے ہیں تو دل سے شادان و فرحان ہو جاتے ہیں اور اس کی زیادتی کی راہ ڈھونڈتے ہیں۔ کئی ہزار تکالیف و رنج، خزینہ و خزانج کے فراہم

کرنے میں اپنی جان پر گوارا کرتے ہیں۔ ہر چند بھوک پیاس سے مریں۔ لیکن ایک کوڑی بھی اس سے باہر نہیں لاتے۔ جب ایسے شخص منصب سلطنت کو پہنچتے ہیں۔ تو نخل کی داودیتے ہیں۔ اور حرص کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے حق کو پورا کرنے میں اہل زراعت تجارت اور اغنیا و فقر اور تمام رعایا سے ایک ایک جہت تک گن لیتے ہیں۔ اور ایک کوڑی بھی کسی پتیرس کھا کر نہیں چھوڑتے بلکہ اس بات کے دل سے خواہاں رہتے ہیں کہ ان کی رعایا سے کوئی گناہ یا قصور واقع ہو تو اسے اس جیلہ سے پکڑیں اور اس کے مال و اجناس کو اڑالیں۔

الغرض مال کے جمع کرنے میں خود بھی غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے ہمیشینوں کو بھی اس باب میں عقل صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ پس جس کسی نے جمع مال کے لئے کوئی اچھی تدبیر نکالی اور رعایا کو دام میں پھنسانے کا جیلہ اس سے خوب بر محل ہوا تو ان کے نزدیک وہی وزیر و مشیر اور امیر کبیر ہے۔ پس اس کی کوشش سے جیلہ سازی و فریب بازی کا فن کمال کو پہنچتا ہے اور اس کے اصول و فروع قائم ہو جاتے ہیں۔

اور جو نخل ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنے ملازموں سے اپنی خدمت کی بجا آوری دل و جان سے چاہتے ہیں اور ان کی خدمت گزاروں کو اپنا فخر خیال کرتے ہیں۔ لیکن خزانہ عامرہ سے کچھ بھی کم نہیں ہونے دیتے اور دینہ وافرہ سے ایک کوڑی بھی باہر نہیں نکالتے۔ بنا بریں ان سے خدمت لینے کے بہت سے جیلے تراشے جاتے ہیں اور حسن خلق و تالیف خلق ریاست و سیاست کے فن میں ملاتے ہیں۔ کسی پر الزام رکھ کر اس کی خدمت کو برباد کرتے ہیں۔ اور کسی کو مجر د تعظیم و تکریم سے فریب دیتے ہیں۔

الغرض ان کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ ان سے خدمت لیتے رہیں اور دیں کچھ بھی نہ۔ اور جس جگہ کچھ دینا ضروری ہو تو اس وجہ سے دیتے ہیں کہ پورا حق مستحق تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ ان کے حق سے کچھ خزانہ میں ہی رہ جاتا ہے۔ مثلاً انہیں تو زر و سیم ناقص

دیں اور خود خالص لیں۔ اور ان کی خدمت گزاری کے ایام سے چند ایام وضع کر لیں اور بہت خدمت لینے کے بعد ان کا نام دفتر میں لکھوائیں۔ یہ طمع و نجل کی سلطنت آخر کار فساد و مملکت تک پہنچتی ہے اور اصلی حکومت برباد ہو جاتی ہے لیکن رعایا کے حق میں مصلحت وقت یہی ہے کہ سلطان نجل کی کدو کاوش پر صبر کریں اور اس کے ساتھ لڑائی جھگڑے کی راہ نہ نکالیں۔ ایسا نہ ہو کہ فی الحال تو درپردہ جیلہ سازی و سخن سازی کرتا ہے جھگڑا پیدا کر کے علانیہ ظلم اور تعویبی کا ہاتھ دراز کر دے۔ کیونکہ وہ طمع پر مجبور ہے جس وقت تحصیل مال میں کوئی راہ نہ پائے گا تو بالضرور صریحاً جوہر و تعویبی شروع کر دینگا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ذر غفاریؓ کو فرمایا: کیف

انتم وائمة من بعدی سياترون لهذا الفی قال ابو ذر اما والذی بعثک بالحق اضع سیفی علی عاتقی ثم اضرب به حتی القاک قال اولاً ادک علی خیر من ذالک لصبر حتی تلقانی؟ دیکھا کرو گے تم جبکہ میرے بعد کے امام ایسے ہونگے کہ اس مال غنیمت کو پسند کریں گے؟ تو ابو ذر نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں تلوار سے اپنے تئیں ختم کر دوں گا اور اس طرح آپ سے آملوں گا آپ نے فرمایا کہ کیا میں تجھ کو اس بات سے بہتر نہ بتاؤں۔ "صبر کر یہاں تک کہ تو مجھ سے آملے"

اور فرمایا: انکم سترون بعدای اثرۃ وامورا تنکروھا وروی ان الصحابة

قالوا یا نبی اللہ ارایت ان قامت علینا امرأ یسئلونا حقہم وینعوننا حقنا فما تأمرنا قال اسمعوا واطیعوا فان علیہم ما حملوا وعلیکم ما حملتم؟ تم میرے بعد ایسے نشان اور کام دیکھو گے کہ منکرات سے ہونگے۔ اور روایت ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ فرمائیے کہ اگر ہم پر ایسے امیر ہوں جو اپنا حق تو مانگیں۔ اور ہمارے حق نہ دیں تو ہم کو کیا حکم ہے؟ فرمایا "سنو اور کہا مانو۔ جو وہ کریں گے پائیں گے۔ اور جو تم کرو گے تم پا لو گے"

اور اس میں ایک خوشخواری اور مردم آزاری ہے اس کا بیان یوں ہے۔ کہ بعض

لوگ عادت چلی کے موافق مغلوب انھیں اور کیتہ کش ہوتے ہیں جو انتہائی غصہ اور جوش  
 غضب کے وقت اس قدر تند خوا اور سخت گو ہو جاتے ہیں کہ بدخواہی کی داو دیتے ہیں اور  
 مجرم کے جرم کی ہرگز رعایت نہیں کرتے اور گناہ کی مقدار کو عقل کی ترازو سے نہیں پہچانتے  
 بلکہ جب تک اس مجرم کو قتل تک نہ پہنچائیں۔ یا اسے اپنے پرانے کے رو برو ذلیل و خوار  
 نہ کر لیں ان کا دل تسلی نہیں پکڑتا۔ اور اگر کسی قوم سے ایک شخص نے ان سے مخالفت کی  
 تو وہ تمام قوم سے عداوت کرتے اور ہر نیک و بد پر لعن طعن کی زبان دراز کر دیتے ہیں۔  
 جب ایسے شخص منصب سلطنت پر قائم ہو جاتے ہیں تو ظلم و تعدی کرتے اور بندگان  
 الہی کو طرح طرح کے عذاب میں گرفتار کر دیتے، اور اہل عزت و اعتبار کو طرح طرح سے  
 ذلیل و خوار کرتے ہیں۔ بنی آدم کے حق میں گرگ ظالم اور پھاڑنے والے سگ کی مانند ہوتے  
 ہیں۔ ان کی مضرت ہر صغیر و کبیر اور اہل عزت و اعتبار و مساکین و اغنیاء و فقراء کے  
 حق میں یہاں تک بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ انتہا نہیں رکھتی جتنی کہ ان کے ظلم سے تنگ  
 آکر غریب اور ضعیف مسلمان کفار و نابکار کی حکومت کو ایسی جبار حکومت پر ترجیح دیتے  
 ہیں اور اسے باعث تسکین خلق اللہ شمار کرتے ہیں چنانچہ جیسے ظالم سلطان سے رعایا رنج  
 اور دکھ میں ہوتی ہے اسی طرح ظالم سلطان بھی رعایا سے بیزار ہو جاتا ہے۔ رعایا  
 ظالم بادشاہ کی بدخواہ ہوتی ہے اور وہ رعایا کا بدخواہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے فرمایا: ائمتکم الذین تجبونہم و یحبونکم و یصلون علیہم و یصلون علیکم  
 و شرار ائمتکم الذین تبغضونہم و یبغضونکم و تلعنونہم و یلعنونکم۔ (تمہارے بہتر  
 امام وہ ہیں کہ تم ان کو دوست رکھو اور وہ تم کو، تم ان کے لئے دعا مانگو اور وہ تمہارے لئے  
 اور تمہارے لئے امام وہ ہیں کہ تم ان پر غضبناک رہو اور وہ تم پر اور تم ان پر لعنت بھیجو  
 اور وہ تم پر)

جیسا کہ بادشاہ کا ظلم معاش رعایا کو برباد کرتا ہے ایسے ہی ان کے ایمان کی بھی  
 بیخ کنی کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے خوف سے کبھی رہا نہیں ہوتے کہ دین و دنیا کی تکمیل میں مشغول  
 ہوں۔ پس سلطنت ظالمہ کا قیام مثل ندامت باطلہ کے انتشار کے ہے جو کہ قوانین ملت

کو برہم کر دیتا اور آئین سلطنت کو گھٹا دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا الخاف  
 علی امتی الاستسقاء بالانواء وحیف السلطان وتکذیب بالقدرۃ (میں اپنی  
 امت سے اس امر سے ڈرتا ہوں کہ بارش مانگے انواء کے وسیلہ سے، اور سلطانوں کے ظلم  
 سے اور اس سے کہ تقدیر کو جھٹلاویں)

اور بعض وقت ظالم سلطان بعض اقوام پر بہت پُر غضب اور انتقام طلب ہوجاتا  
 ہے اور انتقام لینے میں فرما نہرونا فرمان کی تمیز اور گنہ گاروں کے گناہ کا خیال نہیں کرتا۔  
 اور بے دریغ تیغ کرتا اور اقلیم و بلدان کو بے تور کر دیتا ہے۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے فرمایا: من خرج علی امتی بسیفہ یضرب برہا و فاجرہا ولا یتحاشا  
 من مؤمنہا ولا یفی الذی عہد عہدہ فلیس منی ولست منہ (جو شخص تلوار  
 لے کر میری امت پر نکلا اور نیک و بد کو مارا اور مؤمن کی پرواہ نہ کی اور کسی عہد والے کا  
 عہد پورا نہ کیا۔ پس وہ مجھ سے نہیں اور میں اس کا نہیں)

اور بعض وقت اس کا جوش غضب بعض اقوام پر اس کے دل میں جوش زن تو ہوتا  
 ہے۔ لیکن اس وقت ان سے انتقام لینے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور تخم کینہ کو اپنے سینہ میں  
 لوٹے رکھتا ہے اور اس وقت کا انتظار کرتا ہے کہ اپنے دیرینہ غصہ کو ان پر نکالنے کا موقع  
 ملے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما من وال یلی رعیتہ من المسلمین  
 فی موت وہو غاش لهم الا حرم اللہ علیہ الجنتۃ (جو سردار مسلمانوں پر حکمران ہو اور  
 وہ دہوکا باز ہی مر جائے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے)

اور ان میں سے ایک بختور و تکبر ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ بعض لوگ جلی عادت  
 کے مطابق سرکش و خود پسند و صاحب دعوائے بلند اور خود ستائی میں شغف رہتے ہیں۔  
 اور خود نمائی میں معروف اور اپنے آپ کو بلند تر اور دوسرے پر خیر و کبیر کو حقیر جانتے  
 ہیں۔ اور اپنے ادنیٰ ہنر کو اگرچہ وہ محض خیال ہی ہو مثلاً علو حسب و نسب، دوسروں  
 کے کمالات کے مقابلہ میں بلند رتبہ سمجھتے ہیں۔ اور دوسروں کے ساتھ اپنی نسبت کو  
 ننگ و عار جانتے ہیں۔ الغرض اوروں کی حقارت کو اپنی عزت اور بھائیوں کی عار

کو اپنی عظمت خیال کرتے ہیں۔ اپنے کمال پرناز کرتے اور دوسروں کے کمال کو گراتے ہیں۔ ان کی آرزو کی انتہا یہی ہوتی ہے کہ انہیں تمام نبی نوع انسان میں ایسا امتیاز حاصل ہو کہ کوئی ان سے مشارکت نہ کر سکے اور مشابہت کی راہ نہ پاسکے۔ حیب ایسا شخص منصب سلطنت کو پہنچتا ہے تجبر و تکبر کی داد دیتا اور رفتار و گفتار، نشست و برخاست، القاب و آداب اور دیگر تمام معاملات و عادات میں اپنی امتیاز ڈھونڈتا ہے۔ اور ہر طرف کی چیزیں اپنی ذات کے لئے اس طرح مخصوص کرتا ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی مشارکت نہ ہو سکے۔ اور دوسروں کے لئے مساوات کی راہ بالکل مسدود کر دیتا ہے۔ مثلاً جب اپنے بیٹھے کے لئے تخت بنایا تو دوسروں کو اس پر بیٹھنے نہ دے یا جس مجلس میں خود بیٹھے وہاں دوسروں کو نہ بیٹھنے دے اور جو لفظ اپنے واسطے مقرر کیا، جیسا کہ سلطان، شاہ، بادشاہ، ملک و حضور اقدس وغیرہ تو اگر کوئی ان لفظوں سے اس کے فرزندوں پر بھی عائد کرے تو اسے سخت گنہگار جانتا اور سخت تعزیر لگاتا ہے۔ الغرض اس کا دل یہی چاہتا ہے کہ اس کی جان کو بندگان الہی و ائلیان رسالت پناہ سے بھی شمار نہ کیا جائے اور ان کو اپنی جنس سے نہیں جانتا اور ہر بات میں علیحدہ راہ ڈھونڈتا اور اپنی ذات کو ہر وجہ سے امتیاز دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے آئین و قوانین کو بمقابلہ اصول دین و احکام شرع متین کے، عامۃ الناس میں مسلم و مقبول اور ہر کس و ناکس کو ان کا تابع بنائے کسی کو ان کے سامنے قلیل و قال کی مجال اور بحث و جدال کا موقع نہ ملے۔ گویا کہ وہ احکام الہی کا مخاطب نہیں اور نہ ہی ان کی مخالفت پر مغلوب ہوگا اور یہی ہر دو باتیں یعنی خود سری اور منہائے نفاذ حکم آنا فنا ترقی پکڑتی اور صورت تعالیٰ قبول کرتی ہیں یہاں تک کہ دعویٰ الٰہیہ و رسالت تک پہنچا دیتی ہیں اور اسے فرعون، فرود کے بھائیوں سے بنا دیتی ہیں۔ اوصاف الہی سے کوئی وصف نہیں کہ جس کو یہ جبار ظالم اپنی تحریر اور فرمانوں و پروانہ جہات کے ضمن میں اپنی طرف منسوب نہ کرے اور خالق اکبر کے اسماء سے کوئی اسم نہیں جسے یہ جاہل ابتر اپنی ذات کی طرف ملقب نہ کرے اور انبیاء و مرسلین کے منصب سے کوئی منصب نہیں کہ یہ دین کا دشمن اس کا دعویٰ نہ کرے اور

خلفائے راشدین کے مراتب سے کوئی مرتبہ نہیں کہ یہ رئیس المفسدین ان میں ان کے ساتھ براہ مساوات نہ ڈھونڈتا ہو۔ پس یہ تجربہ تکبر کی سلطنت جیسا کہ تمام امت ملت کے حق میں نہایت مضر ہے۔ ایسا ہی اس سے ہزار گنا زیادہ اس جاہل مدعی کے حق میں سیم قائل ہے۔ کسی سلطان کو اپنی سلطنت سے اس قدر ضرر نہیں پہنچتا جس قدر تکبر سلطان کو اپنی سلطنت سے پہنچتا ہے جو اپنی جان کو رعایا کا خالق سمجھتا یا نبی خلاق جانتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ زمانہ اس کا یاز اور بخت یاد ہو اور اکابر و سرکشان زماں پست وزیر دست ہو جائیں۔ اس صورت میں اس کا تکبر و وبال اور دماغ نخوت عالم بالا تک پہنچ جاتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا مشيت امتي المطيطاء وحدها

ابناء الملوك ابناء فارس والروم سلط الله شرارها على خيبرها۔ رجب میری امت اتر کر چلے اور اس کے خدمتگار فارس اور روم کے بادشاہوں کی اولاد ہو تو اللہ تعالیٰ ان کے سروں کو اچھوں پر مسلط کر دے گا۔

اور فرمایا: الكبرياء ددائي والعظمة ازاري فمن نازعني واحدا منهم ما ادخلته النار واللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر میری چادر اور بڑائی میرا آزار ہے جو کوئی ان دونوں میں سے کسی کو مجھ سے چھینے تو میں اس کو آگ میں داخل کروں گا۔

اور فرمایا: اغيظ رجل على الله يوم القيامة وان خبت رجل كان لیسبی ملائک الاملاک لا ملائک الا لله (قیامت کو اللہ تعالیٰ اس شخص پر سب سے زیادہ غضبناک ہوگا اور اسے سب سے بدتر سمجھے گا جو اپنا نام ملائک الاملاک رکھے۔ کیونکہ ملائک الاملاک خدا کے سوا کوئی نہیں)

اور فرمایا: لا يقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبید اللہ وکل نساءکم اماء اللہ ولكن لیقل غلامی وجاریتی وفتای وفتاتی ولا یقل العبد ربی ولكن لیقل سیدمی وفي رواية لا یقل العبد لسیدة مولائی فان مولاکم اللہ۔ (کوئی شخص کسی کو یہ نہ کہے کہ میرا بندہ یا میری لونڈی۔ تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں۔ بلکہ یوں کہہ دیا کرو کہ میرا غلام یا میری خدمت گار اور



غلام اپنے آقا کو رت نہ کہے بلکہ اپنا سردار کہہ دے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ  
غلام اپنے آقا کو اپنا مولانا کہے، کیونکہ سب کا مولا اللہ تعالیٰ ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ سلطنت جابرہ جس کا ذکر کیا گیا ہے دو قسم پر ہے :

**قسم اول** ایمان بھی رکھتا اور بعض اعمال صالحہ میں وقت صرف کرتا ہو، اگرچہ  
ان اعمال کو اس وجہ سے ادا کرے کہ مشروع طریقہ کے مطابق نہ ہوں اور اہل دیانت  
سے نہ سنتا ہو بلکہ اپنے خیال کے مطابق ادا کرے اور اپنی طینت کے موافق ان پر لگے۔ لیکن  
اپنے دل میں اسی کو وسیلہ تقرب الی اللہ بنا کر اخلاص دل سے بجالاتے جیسا کہ اپنی ذات  
کیلئے خزانہ و وقاٹن صرف کرتا ہے۔ ایسا ہی کوئی مسجد نہایت لطیف و نفیس اور مطہر  
مذہب، مصفا و منقش بنا کرے اور اسے مالی عبادت سمجھے۔ اگرچہ ایسی مسجد بھی جنس  
اسراف سے ہے جو شرعاً ناجمود اور عند اللہ نامقبول ہے۔ لیکن جبکہ اس کے نزدیک  
انفاق طریقہ خرچ ہے پس فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے یہی معنی سمجھتا ہے کہ شرعی محمود  
مصارف میں جس قدر کہ اسراف کرے اسی قدر عند اللہ محمود اور عند الشرع مقبول ہے۔  
اسی بنا پر تقرب الی اللہ کے لئے مال کثیر اس میں صرف کیا اور قبولیت زیادہ ہونے  
کے لئے اسراف کی راہ اختیار کی۔

**قسم دوم** وہ سلطان جابر جو دل میں اس قدر خوف الہی نہیں رکھتا کہ افعال شرعیہ  
کو بھی اخلاص نیت سے بجالاتے بلکہ اسے رسم و عادت اور اہل زمانہ کے  
درمیان نیک نامی حاصل کرنے اور زمانہ پر سبقت حاصل کرنے کی بنا پر عمل میں  
لاتا ہے۔ اور اس کو اپنے جاہ و جلال کے لوازمات سے سمجھتا ہے۔ پس جیسا کہ سلطان اول  
کے اعمال صالحہ باعتبار ظاہریت کے مردود مگر باعتبار نیت محمود تھے۔ ایسے ہی اس  
دوسرے سلطان کے اعمال ظاہر و باطن ہر دو صورت میں فاسد و کاسد ہیں۔  
اس معنی میں چند لطیفے ہیں جو چند نکات کے ضمن میں بیان کئے جاتے ہیں :-

## تکۃ اول

سلطان جابر اگرچہ عند اللہ مردود اور تقرب سے دور ہے۔ لیکن نوع انسان میں مؤمنین کو اس سے کچھ فائدہ اور کافروں کو کچھ ضرر پہنچتا

ہے۔ مثلاً مملکت و سلطنت کی طلب میں مسلمان عقلاء کو امیر وزیر بنانا اور ان سے کفار سلاطین کو ضرر پہنچاتا ہے۔ اگرچہ مؤمنین کی پرورش اور کافروں کی سزائش اعلیٰ کلمۃ اللہ کی بنا پر عمل میں نہیں لاتا۔ پس اس عمل کا نفع اگرچہ اس کی ذات کو نہیں پہنچتا۔ لیکن دین اور اہل دین ایک طرح سے سرسبز ہوتے ہیں۔ پس اسے اندھے مشعل بردار یا اسیر خدمت گزار کی مانند سمجھنا چاہئے اور نیک کام میں اس کا شریک حال ہونا چاہئے۔ اور اس کا وجود نہ ہونے کے سے بہتر سمجھنا چاہئے اور حتی المقدور اس کے ساتھ جھگڑا کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ بلکہ نگاہ رب العزت سے اس کے حال کی اصلاح طلب کرنی چاہئے اور اس کے ظلم و تعدی کو بلائے آسمانی سمجھنا چاہئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

و سلم نے فرمایا: ان اللہ تبارک و تعالیٰ یقول انا اللہ لا اله الا انا مالک الملوک  
قلوب الملوک فی یدی وان العباد اذا اطاعونی حولت قلوب ملوکم علیہم  
بالرحمة والرافة وان العباد اذا عصونی حولت قلوبہم بالسخط والنقمۃ

فساموہم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسکم بالدعاء علی الملوک و لکن اشغلوا  
انفسکم بالذکر والتضرع کی انفسکم ملوکم۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے میں  
اللہ ہوں۔ نہیں کوئی معبود مگر میں مالک الملوک ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ  
میں ہیں جب میرے بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو ان کے حکمرانوں کے دلوں میں  
نرمی اور رحمت ڈال دیتا ہوں اور جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں  
کے دلوں میں غصہ اور برائی ڈال دیتا ہوں تو وہ انہیں بری طرح تکالیف پہنچاتے  
ہیں۔ ایسی حالت میں حکمرانوں کے اصلاح حال کی دعا کرنے میں تم اپنے نفسوں کو  
مشغول مت کرو۔ بلکہ اپنے نفسوں کو تضرع و زاری کے ساتھ نیکی کی طرف لاؤ۔ کیونکہ  
تمہارے بادشاہ میرے اختیار میں ہیں)

**نکتہ دوم** | سلطان جابر اکثر اپنی جان کو مسلمانوں سے شمار کرتا ہے۔ کبھی کبھی دین مبین کی حمیت اور شرع مبین کی غیرت اس کے دل میں جوش مارتی ہے اور اس بناء پر اعلیٰ کلمہ حق میں کوشش کرتا ہے پس اس صورت میں دین مبین کی تائید اس سے ظاہر ہوتی اور شرع مبین رونق پاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ لیؤید هذا الدین بالعبد الفاجر۔ (اللہ تعالیٰ اس دین پاک کی مدد و گنہگاروں کے ہاتھ سے کرے گا)

پس اس صورت میں اس کی اطاعت جملہ ارکان اسلام سے ہے اور اس کی اعانت سید الانام کی خدمت ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الجهاد ماض الی یوم القیامة لا یبطله عدل عادل ولا جور جائز۔ (جہاد قیامت تک جاری رہے گا سے کوئی عادل اور ظالم نہیں مٹا سکتا)

**نکتہ سوم** | بیشک سلطان جابر امر بالمعروف کا محتاج ہے اور اس کے حضور میں اظہار حق افضل عبادات سے ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل الجهاد کلمۃ حق عند سلطان جائد۔ (بہترین جہاد سلطان ظالم کے رو برو کلمہ حق کہنا ہے) لیکن امر بالمعروف اس طرح کرنا چاہئے کہ مخالفت یا منازعت پیدا نہ ہو ایسی کہ حد بغاوت تک پہنچ جائے۔ کیونکہ امام جابر کی بغاوت شرعاً جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الامن ولی علیہ وال فرار یا فی شیتا من معصیة اللہ فلیکبرہ ما یاتی من معصیة اللہ ولا ینزع عن ید امن طاعت۔ (خبردار جو کوئی کسی سردار کے ماتحت ہو اور اس سردار سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس گناہ کو توڑا سمجھے لیکن سردار کی اطاعت سے نہ پھرے)

## درجہ سوم سلطنت منضالہ

جان لو کہ جیسا سلطان جابر کا زمانہ ایک مدت تک رہتا ہے اور جیسا سلاطین ساہا سال اس تجیر و تکبر کے طریقہ پر پے در پے قائم رہتے ہیں اور گویا کہ کار حسانہ

سلطنت میں جاہلیت کا زمانہ جو نبی صلی اللہ علیہ سے پہلے تھا ظاہر معلوم ہوتا ہے اور خلافت راشدہ و سلطنت عادلہ مثل خواب معلوم ہوتی ہے اور لفظ "ریاست و سیاست" سے یہی سلطنت جابرہ مفہوم ہوتی ہے۔ پس کوئی اہل ہدایت و دیانت، ریاست و سیاست کے امور کو مجلس اطاعت و عبادات سے نہیں سمجھتا۔ بلکہ اسے دنیا پرستی کی قبیح اقسام اور سرکشی و مستی کی محسوس انواع سے جانتا ہے۔ پس اکابر ملت و امت اس سے دور دور بھاگتے، اس کے قرب و جوار سے پرہیز کرتے اور ایسے سلاطین کی صحبت سے دست بردار و بیزار ہو جاتے ہیں۔ پس فراعنہ سلاطین ملعون شیاطین کی طرح بلا تکلف نفس امارہ کے پیچھے دور دور جاتے اور بلا قید نخوت و غرور کے میدان میں دوڑتے ہیں، ان کی اور ان کے ہم نشینوں کی عقل و فکر فسق و فجور کے دقائق کے استخراج اور مال و خزانہ جمع کرنے، اعمال کے موقوف و بحال کرنے اور رعایا کو عذاب دینے اور پر یاد کرنے اور تجسس و تکبر میں مشغول رہتا ہے۔ اور اس کے اصول و فروع کا استنباط کرتا ہے اور بفقوائے "ہر آنکہ آمد برآں مزید کرد" یہ قبیح طریقہ روز بروز ترقی پکڑتا جاتا ہے اور دن بدن رونق پر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے کلیات مضبوط اور جزئیات مبسوط ہو جاتے ہیں اس کے اصول مقرر اور فروع تحریر میں آجاتے ہیں۔ ہر امر میں ریاست و سیاست کے امور سے ایک حکم مخالف شرع متین ثابت ہوتا ہے اور ہر معاملہ میں معاملات ہی آدم سے دین کے مقابل ایک اصل قائم ہو جاتا ہے۔ پس ملت مصطفوی کے مقابل ایک اور ملت برپا اور طریقہ نبوی کے مقابل ایک اور طریقہ برپا ہو جاتا ہے۔ آئین سلطانی احکام ربانی کے مخالف اور قوانین خاقانی مخالف شرع ایمانی برپا ہو جاتے ہیں۔ بہت چیزیں جو شرع ربانی میں حرام ہیں، آئین سلطانی میں حلال ہو جاتی ہیں اور ایسے ہی کئی حلال حرام ہو جاتے ہیں۔ مثلاً لفظ شاہ شاہاں، خداوند جہان و جہانیاں، حضور اقدس، عرش آشیانی، بندہ خاص، پستار یا اختصاص، قلم قدر توام کا اطلاق اور امر اکاد دست بستہ و سترنگوں کھڑا ہونا، رقص و سرود کی مجلس قائم کرنا، جشن و عید کے ایام میں ریشمی لباس پہننا، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال، کفار کے ایام

جشن و عید میں فرحت کا اظہار، جیسا کہ نوروں کو مہر جان، ہولی، دیوالی وغیرہ ہزاروں  
 مقدمات و بے شمار معاملات یہ سب شرع ربانی میں حرام ہیں مگر آئین سلطانی میں  
 واجب الاہتمام ہو جائیں۔ اور السلام علیکم اور اس کا جواب، حضور جماعات، حسن  
 معاشرت، بندگان خدا کے ساتھ خوش خلقی، ہر مسلمان کے ساتھ مصافحہ و معاہدہ  
 کرنا، ہر وضع و شریف کی دعوت کا قبول کرنا، تمام اہل اسلام کے ساتھ سلوک  
 رکھنا، حج کعبہ، خدمت اولیاء اللہ، مجالس علم و ذکر سے فیضیاب ہونا، امیر و غریب  
 کی مخالفت نہ کرنا اور حاجت مند کی حاجت پہنچانا وغیرہ یہ سب امور شرع ربانی میں  
 مامور ہیں مگر آئین سلطانی میں ممنوع ہو جائیں۔ تجارت کے مال سے زکوٰۃ کے قدر سے  
 زائد محصول لینا اور ہر دریا کے گھاٹ، جنگل کے راستے اور شہر کے دروازوں میں مسافر و  
 کی واروگیر اور مال حاصل کرنے کے لئے تند نمود و مردم آزار آدمیوں کا پہرہ لگانا وغیرہ  
 یہ سب امور شرع ربانی کے مخالف ہیں مگر آئین سلطانی کے موافق۔ اور بہت جرم ہیں  
 جن کی تعزیر شرع ربانی میں اور ہے مگر آئین سلطانی میں اور۔ چوری کی حد شرع میں  
 ہاتھ کاٹنا ہے اور قانون سلطانی میں قتل یا قید۔ بادشاہ کے بھائی متروکہ پید میں  
 حکم شرع شریک ہیں مگر بادشاہ انہیں محروم کر دے۔ بیت المال کا تمام مال شرع  
 میں مسلمانوں کا حق ہے لیکن قانون میں اس کا مالک بادشاہ بن جاتا ہے۔

الغرض آئین سلطانی بہت طویل و عریض ہے جو شریعت کے مقابل رنگارنگ  
 احکام اور گوناگون اصول پر حاوی ہو سکتا ہے اور اس کا علم و تعلیم اراکین سلطنت و  
 اساطین مملکت کے درمیان مروج ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مشفق باپ اپنے بیٹوں کو تربیت  
 کے لئے اس فن کے استاد تعین کرتے ہیں اور تدریج وہ استاد اس فن کی تعلیم دیتے  
 ہیں اور وہ اس تعلیم کو ان کے کمالات و مفاخر سے سمجھتے ہیں۔ اس طرح سلطنت و  
 مملکت کے ترقی خواہ و خیر خواہ جو تحریر و تقریر کی صنعت میں قوت لسانی و براعت  
 بیانی رکھتے ہیں اس کی طرف ترغیب دیتے ہیں اور اس فن میں کتب اور رسائل تالیف  
 کرتے ہیں اور انہیں ذکر شواہد و دلائل سے پایہ اثبات تک پہنچاتے ہیں جیسا کہ

ایک رسالہ ریشمی لباس کے حلال ہونے میں مشہور اور سلاطین کے واسطے سجدہ کے مسئلہ کی تجویز میں مشہور ہے۔ اور اسی فن میں "آئین اکبری" ایک مبسوط کتاب اور اس کے اصول "دین الہی" سے موسوم اور دستاویز مذاہب میں مضبوط ہیں۔

الفرض یہ سلطانی سیاست ایک مذہب "مذہب اسلام کے خلاف اور ایک ملت، ملت سیدالانام کے ہوا ہے جیسا کہ دوسرے تمام باطل مذاہب مثلاً ہنود و مجوس، شیعہ و خوارج کی طرح نہیں کیونکہ یہ ہر دو مذہب بھی اگرچہ فی الحقیقت باطل ہیں لیکن ان کا دعویٰ ہے کہ ہمارا مذہب کتاب و سنت سے ماخذ ہے۔ بخلاف آئین سلطانی کے کہ وہ اپنے احکام کو کتاب و سنت سے مستفاد نہیں جانتے۔ بلکہ اسے محض قیام سلطنت و انتظام مملکت کے لئے حکم عقلی خیال کرتے ہیں۔ پس فی الحقیقت ان کا طریقہ مذہب فلاسفہ کا ایک شعبہ ہے۔ ملت اسلامیہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گمراہ سلاطین کے وجود سے خیر دی ہے۔ فرمایا:

انما اخاف علی امتی الائمة المصلین و روی ان حدیفة قال قلت یا رسول اللہ ایکون بعد هذا الخیر شرکما کان قبلہ شرک قال نعم قلت فما العصمة قال السیف و قلت هل بعد السیف بقیة قال نعم تكون امارۃ علی اقداء و هدایتہ علی دفتن قلت ثم ما اذا قال ثم ینشاء دعاة الضلال و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینکون فتنۃ عمیاء صماء دعاة علی ایواب النار (اپنی امت میں گمراہ اماموں کے ہونے سے میں خوف کرتا ہوں۔ اور مروی ہے کہ حضرت حدیقہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس بھلائی کے بعد برائی ہوگی جیسے اس سے پہلے تھی۔ فرمایا۔ ہاں۔ پھر عرض کیا کہ بچاؤ کیا ہے۔ فرمایا۔ تلوار۔ پھر عرض کیا۔ تلوار کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا۔ "امارت کمینوں کی ہوگی اور قتل کثرت سے۔ پھر عرض کیا کہ پھر کیا ہوگا۔ فرمایا پھر گمراہی کی طرف بلانے والے پیدا ہوں گے اور فرمایا کہ فتنہ بہرا گونگا ہوگا اور اس پر آگ کی طرف

بلائے والے ہوں گے)

اگرچہ ایسے بادشاہ فی الحقیقت قبیل کفار اور جنس اہل نار سے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ اپنی زبان سے اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ پس ان کا کفر پوشیدہ اور ایمان ظاہر ہے۔ اس ظاہری دعویٰ کی تصدیق کی شاہد رسوم اسلام جیسا کہ لڑکیوں کا نکاح، عید الفطر، عید الفصحی کے دن اظہارِ تحمیل، تجہیز و تکفین نمازِ تبارہ اور مسلمانوں کی قبروں میں دفن اپنے پر جاری رکھتے ہیں۔ اور شرع ربانی سے بالکل دست بردار نہیں ہوتے۔ ہاں آئین سلطانی کو اپنے اور اپنے ملازموں کے حق میں واجب العمل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اپنے محاورات میں آئین کو شریعت میں ملا کر تلفظ میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہر چند شرع اصل ہے لیکن سیاست کے باب میں شرع کے ساتھ طورہ بھی چاہئے اور طورہ سے مراد آئین چنگیز خاں ہے۔

پس اسی بنا پر اسلام کا دعویٰ جو ظاہراً ان کی زبان سے نکلتا ہے ان کو صریح کفر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگرچہ مخفی کفر بھی مواخذہ اُخروی کے لئے کافی ہے۔ لیکن ظاہری اسلام اس امر کا مقتضی ہے کہ ان کے ساتھ دینی احکام میں مسلمانوں کے معاملات عمل میں لائیں اور انہیں بھی معاملات میں مسلمان سمجھیں گو وہ آخرت میں کفار شرار کے ساتھ درکاتِ نار میں ہمیشہ رہیں گے اور رب القدر کی داروگیر سے ابدالاً باؤتک خلاصی نہ پائیں گے۔ یا رحمتِ الہی کی وسعت ان کی دستگیری کر کے خواہ عذاب سے پہلے ہی یا عذاب کے بعد مغفرت کر دے۔ ان کی آخرت کا حال علام الغیوب کے سپرد کریں اور مسلمین کے معاملہ میں احکام معاش عمل میں لائیں۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ گمراہ سلطان دو قسم کے ہیں :-

اول۔ متمرّد

دوم۔ مقلّد

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب سلطانی آئین مذاہب کے مقابل جاری ہو اور  
 پایہ شہرت تک پہنچ گیا تو اگرچہ بعض متاخرین سلطان اپنی جبلت کے مطابق  
 عیش و نشاط کی طرف راغب اور تکبر و تجبر کے طالب نہیں ہوتے۔ لیکن آئین اسلاف  
 کی اعانت کی بناء پر محض رسم و عادت سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔ اگرچہ دل میں  
 اسے مکروہ جانیں اور بعض اوقات اس طریقہ کے غلط ہونے سے آگاہ بھی ہو جائیں۔  
 لیکن پھر بھی چار و ناچار اسی راہ پر جاتے ہیں۔ کیونکہ قوانین دیانت کی پاسداری  
 کی نسبت آئین ریاست کی رعایت، اور محبت ذوالجلال کی نسبت حب جاہ و  
 مال، اور احکام رب العزت کی نسبت مملکت کے منصب کی پاسداری ان پر  
 غالب ہوتی ہے۔ ایسے سلاطین کو سلاطین مقلدین کہتے ہیں۔ ان سلاطین سے  
 بعض یا اعتبار اصل خلقت کے بھی امور مذکورہ کی طرف باغی اور ایمان کی حقیقت  
 سے باطل غافل ہوتے ہیں۔ جب آئین اسلاف ان کی جلی رغبت سے مل گیا تو  
 ان کے عیش و تجبر کو دو بالا کر دیا۔ پس آئین اسلاف کی رعایت ان سے بوجہ اتم  
 ہوتی ہے بلکہ ان سے اس کی رونق کمال تک پہنچ جاتی ہے گویا کہ اسے اس ملت  
 کے مجتہدین سے کہہ سکتے ہیں اور اس طریقہ کے مجددین کے سلک میں پروا سکتے  
 ہیں۔ اس کو متمدن سلطان کہتے ہیں۔ اور اس مقام میں چند لطیفے ہیں جو چند  
 نکات کے ضمن میں بیان کئے جاتے ہیں۔

**نکتہ اول** | گمراہ سلطان اگرچہ رئیس المفسدین و امام المبتدعین ہے اور اس  
 کی ریاست دین کے لئے سم قاتل اور اس کی امامت بحکم کتاب  
 و سنت بالکل باطل ہے۔ لیکن جبکہ معاملہ اسلام اس سے وابستہ ہے تو اس کی  
 تکفیر مشکوک ہے اس لئے اس کی بغاوت کا اظہار اور اس کی اطاعت سے  
 نکلنا بھی مسائل اختلافیہ سے ہے۔ پس محتاط آدمی کو لازم ہے کہ اس امر کا  
 اقدام نہ کرے۔ اور دوسرے کو اس کے اقدام پر ملامت نہ کرے۔ یعنی آپ بغاوت  
 و خروج نہ کرے اور اگر کوئی اور کرے تو اسے طعن و ملامت نہ کرے۔ جیسا کہ اہل سنت



کے اکثر علماء و روافض کے قتل و غارت کے مرتکب نہیں ہوتے اور اس کے مجوزین علماء و راء النہر پر اعتراض نہیں کرتے۔ چونکہ سلاطین مضلین کی بغاوت و خروج احتیاطاً ممنوع ہے تو ضرورتاً ان کی سلطنت بھی اقسام امامت سے معدوم ہے۔

**نکتہ دوم** | سلطان مقلد ملت اسلام کے قریب ہے۔ پس اس کی منازعت و مخالفت میں احتیاط واجب ہے۔ اگر اس کے ساتھ منازعت کی اور اس کی متابعت سے دستبردار ہوا، اگرچہ ظاہر شرع میں مطعون نہ ہوگا لیکن یہ عمل مصالحت و وقت کے خلاف ہے۔ ہاں اُس وقت اس کی مخالفت ضروری ہے جبکہ اُس کی ریاست کے برباد ہو جانے کے بعد خلافت راشدہ یا سلطنت عادلہ کا قیام یقینی ہو۔ پس اس صورت میں قتل و قتال کے لئے میدان میں آنا اور بدعتی گمراہ کو ذلیل و رسوا کرنا ملت اور اہل ملت کے لئے نفع بخش ثابت ہوگا۔ ورنہ خاص و عوام اس کی مضرت سے محفوظ نہیں ہونگے۔

## درجہ چہارم سلطنت کفر

جاننا چاہئے کہ سلطنت کفر سے مراد اس مقام میں اصل کفار کی حکومت نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مقصود وہ قوم ہے جو اپنے کو گروہ مسلمین سے جانے اور صریح موجبات کفر عمل میں لائے۔ اور اس سے احکام شرع کی مخالفت و عناد اس قدر ظاہر ہو کہ اس پر کفر و ارتداد کا حکم ثابت ہو جائے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ بعض اشخاص جبذت سے ہی ملحد مزاج و زندیق طبع ہوتے ہیں جو اگرچہ ظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ لیکن خدا اور رسول، دین و مذہب اور حساب و کتاب پر یقین نہیں رکھتے اسی دنیاوی نشیب فراز کو سعادت و شقاوت سمجھتے اور اسی جاہ و جلال اور مال و منال کے حامل

کرنے کو اصل کمال جانتے ہیں۔ جو کوئی انہی باتوں میں غرق اور مشغول ہو  
 وہی ان کے نزدیک زکی و عاقل ہے اور جو کوئی ان باتوں سے اعراض کرے  
 اور غیر ملتفت ہو وہ ان کے نزدیک غبی و جاہل ہے۔ جو چیز دنیائے دُور  
 کے حاصل کرنے کا باعث نہ ہو، وہ ان کے نزدیک لغو اور باطل، اور جو محنت  
 نام و نشان کے حصول کا ثمر نہ ہو، وہ ان کے نزدیک رنج بے حاصل ہے۔  
 پس انبیاء اللہ اور تمام ہادیانِ راہِ حق کو عقلائے جاہ طلب کی جنس سے  
 سمجھتے ہیں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو سخن ہائے احمق فریب پر مغرور  
 ہونے والے بے وقوف سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان کے وعدوں پر فریفتہ  
 ہیں۔ اور تمام اقوال و افعال میں سنت و ملت کی رعایت کو حماقت شمار  
 کرتے اور عادات و معاملات میں مذہب کی قید کو کمینہ پن جانتے ہیں  
 اور عبادات میں رنج و تکلیف کا اٹھانا ان کے نزدیک محض نادانی اور  
 توکل محض عجز و ناتوانی ہے۔ پس جب ایسے شخص منصبِ سلطنت تک پہنچتے  
 اور تختِ سلطنت پر قائم ہو جاتے ہیں۔ تو آئینِ سلطانی کو جو بظاہر برواق  
 سلطنت کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے اپنی فراست و عقل کے مطابق جانتے  
 ہیں۔ اور شرعِ ربانی جو ان کے نزدیک بے حاصل ہے اسے کمینوں کی رسوم  
 خیال کرتے ہیں پھر بے خوف ہو کر اس پر طعن کی زبان دراز کرتے ہیں اور  
 اسے ملازموں کی نظر میں حقیر بناتے ہیں۔ اور کئی حیلوں سے اس کی بیخ کنی  
 کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس سے اعراض کرنے کی راہ ڈھونڈتے ہیں۔  
 ہر بات میں قانونِ سلطانی کے حکم کو ترجیح دیتے اور شریعتِ ربانی کے  
 احکام کی سفاہت بیان کرتے ہیں۔ اور قانونِ سلطانی کے منافع کو چرب  
 زبانی سے بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے ضرر کو فریب کے ساتھ ظاہر کرتے  
 ہیں۔ الغرض ان کے ہر کلام میں ملت رب العالمین پر رمز اور سنتِ سید  
 المرسلین پر طنز ہوتی ہے۔ کبھی اپنے کلام کو یا وہ گو شعرا کے اشعار کے ساتھ

ملاتے اور کبھی علمائے جاہ طلب کی تشبیہات سے بیان کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنے  
دعوے کو فلاسفہ کے کلام سے اور کبھی ملاحدہ کے رموز سے مدلل کرتے ہیں۔  
پس اس قسم کے سلاطین بے شک کفار متمرّدین اور زندیق مرتدین کی  
جلس سے ہیں۔ ان پر جہاد ارکان اسلام سے ہے اور ان کی امانت، سید الانام کی  
اعانت ہے۔ ان کی سلطنت ہرگز امامتِ حکیمہ سے نہیں اور ان کی اطاعت  
کسی وجہ سے بھی اوامر شرعیہ سے نہیں۔ جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ  
عنه نے روایت کیا:

انه قال بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على ان لا ننازع

الامراء اهل الا ان تروا كفرا عندكم من الله فيه برهان؛ (انہوں نے فرمایا کہ  
ہم نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر پر بیعت کی تھی کہ ہم اولی الامر  
سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ مگر جب تم ان سے صریح کفر دیکھو تو منازعت جائز  
ہوگی۔ جو کہ اللہ کی طرف سے اس میں تمہارے لئے دلیل بھی ہو)

اور بعض وقت اس مرتد سلطان کو خیال گزرتا ہے کہ جس قدر عوام  
اتباع سید المرسلین میں سعی بلیغ کرتے ہیں اور اسے کمال سعادت سمجھتے ہیں۔  
اس قدر اتباع سلاطین میں سرگرم نہیں ہوتے بلکہ اکثر لوگ اس امر کو فک و عار سمجھتے  
ہیں۔ تو اسی بناء پر وہ سلطنت کے ساتھ دعوائے نبوت بھی کر دیتے ہیں۔ تاکہ  
عاقل لوگ جاہ و جلال کے طمع سے اور بے وقوف حسن مال کی بنا پر اطاعت  
اختیار کر لیں۔ پس بر ملا نبوت کا دعویٰ کر کے ایک نئی ملت برپا کر دیتے ہیں۔  
اور اکثر تجربہ و تکبر سلطنت کی بناء پر دعوائے نبوت کے الوہیت کا دعویٰ بھی  
کر دیتے ہیں تو ان کا کفر پھر فرعون کے کفر سے بھی بالاتر ہو جاتا ہے۔ ایسی  
سلطنت مرتد کا قیام بمشابه غلبہ کفار ہے۔ مسلمانین پر فرض عین ہے کہ اس  
پر جہاد قائم کریں اور یہ شور و فساد بزور شمشیر بٹھادیں۔ اور اگر یہ نہ کر  
سکیں تو اس ولایت سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں چلے جائیں۔

جاننا چاہئے کہ اس مقام میں سلطنت ارتداد کا ذکر باوجودیکہ یہ قسم  
 اقسام امامتِ حکمیہ کے لئے موضوع اور ان اقسام مذکورہ سلطنت سے  
 خارج ہے محض اس امر کی بناء پر مذکور ہوا کہ مدعیانِ اسلام کے درمیان  
 کبھی کوئی ایسا سلطان ہوتا ہے جو محض کفار شرار اور مرتدین الحاد شعار  
 سے ہوتا ہے۔ اس کی بیخ کنی کرنا عین انتظام اور اس کا ہلاک کرنا عین اسلام  
 ہے۔ کیونکہ ہر متسلط کی اطاعت احکام شرعیہ سے نہیں اور نہ ہی ہر متجسس کی  
 تابعداری احکام دینیہ سے ہے۔

# خاتمہ

## لفظِ امام سے مراد

معلوم ہوا کہ اس کتاب میں لفظ امام سے مراد مطلق "امام" نہیں ہے بلکہ وہ امام ہے جس کا تعلق سیاست سے ہو۔ پس صاحبانِ امامتِ خفیہ مثلاً قطب، ابدال اور ارباب باطنہ محققہ یعنی مبعوثین برائے ہدایت و ارشاد اس کتاب کی بحث سے خارج ہیں۔ ان کا ذکر محض تیمن و تبرک کی بناء پر اس قسم کے شروع میں مذکور ہوا۔ پس امام سے مراد صاحبِ سیاست ہے نہ کہ خاص خلیفہ راشد کہ وہ مشابہ اکسیر اعظم کے نادر الوجود اور کبریتِ احمر ہے جو کہ اکثر زمانہ میں مفقود ہے۔ نہ مطلق صاحبِ سیاست کیونکہ ہر فاسق و بدکار اس میں داخل اور ہر ظالم ستمگار اور خونخوار عنید، ہر جبار مرید اور ہر گمراہ بد آئین، ہر ملحد بے دین اس میں شامل ہے۔ کیونکہ ان سلاطین کی مضرت دین و ملت کے لئے ان کی منفعت سے بہت زیادہ ہے اور ان کی موافقت اکابر ملت کے واسطے ان کی مخالفت سے بہت بعید ہے۔ بلکہ اس مقام میں "امام" سے مراد صاحبِ دعوت ہے جس نے جہاد کا جھنڈا اعدائے دین پر بلند کیا اور تمام مسلمانوں کو اس معرکہ میں بلایا اور شرعِ مبین کی اعانت پر کمر باندھی، سیاستِ دین کی مسند پر بیٹھا، سوائے ملت کے مذہب کے دوسرا مذہب نہ پکڑا اور طریقہ سنت کے سوا دوسرا طریقہ اختیار نہ کیا، عدالت و سیاست میں آئینِ نبوی کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہ بنایا، قوانینِ مصطفوی کے سوا دوسرا قانون نہ چھانٹا، مصالحت و منازعت میں دین کی موافقت و مخالفت کے سوا کوئی وجہ نہ نکالی۔ پس یہی صاحبِ دعوت ہے۔ جو کہ یہاں

مراد ہے۔ خواہ ان باتوں میں ریاکار ہو یا مخلص اور اپنے ذاتی معاملات میں مردود  
الافعال ہو یا محمود الاعمال، ایسے امور سے اس مقام میں کوئی غرض نہیں۔  
اس اجمال کی تفصیل اور اس مقالہ کی تشریح و تہنہ کے ضمن میں بیان  
کی جاتی ہے :-

## تہنہ اول

### تشریح مفہوم صدا و دعوت

جان لو کہ ریاست و سیاست کے دو باب ہیں :-  
اول صلح اور جنگ مخالفین کے ساتھ  
دوم نظم و نسق موافقین کے ساتھ۔

انہی ہر دو باتوں میں صاحب دعوت تمام اصحاب سیاست سے امتیاز  
رکھتا ہے۔ اگرچہ ان اعمال و افعال میں جن کا اس کی ذات سے اختصاص ہو  
دوسروں سے کوئی امتیاز نہ رکھتا ہو۔

(۱) بیان صلح و جنگ | معلوم ہو کہ اس مقام کی تحقیق ایک مقدمہ کی تمہید  
پر موقوف ہے۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ جو کوئی کسی  
دوسرے پر لشکر کشی کرتا، اور کسی قوم سے اپنی رفاقت چاہتا ہے تو ضرور وقوع  
منازعت کے لئے کوئی سبب مقرر کرتا ہے اور ان کی رفاقت حاصل کرنے  
کے لئے کوئی وجہ انہیں سمجھا دیتا ہے۔ اگرچہ حقیقت میں منازعت کا سبب  
کوئی دوسرا ہو اور رفاقت کی وجہ کوئی اور۔ لیکن ظاہر میں تمام قبیل و قال  
انہی اسباب کے اثبات و ابطال سے ہوتی ہے۔ اور ہر خاص و عام میں وہی  
وجہ مشہور ہو جاتی ہے۔ مثلاً زید، عمرو کے ساتھ منازعت کے لئے اٹھا اور بکر  
کے ساتھ اپنی رفاقت چاہتا ہے اور منازعت کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے

باپ کی متروکہ پر غالب و قابض ہوا۔ اور بکر سے رفاقت کی یہ وجہ سمجھائی کہ تو میرے قرابت داروں سے ہے اور عمر و اغیار سے۔ پس ہر چند ممکن ہے کہ منازعت کے برپا ہونے کا سبب فی الحقیقت غلبہ مذکور کے ساتھ کچھ اور ہو۔ کیونکہ بعض وقت مدت بعید کے بعد وہ غلبہ متحقق ہوا اور زید اس تمام مدت میں ساکت رہا ہو لیکن پھر کوئی نیا امر پیدا ہو جائے جس سے منازعت قدیمہ ظہور پذیر ہو جائے۔ مثلاً عمر سے زید کی نسبت کوئی تحقیر یا سب و شتم صادر ہو جس سے کینہ دیرینہ جوش زن ہوا ہو۔ لیکن بظاہر وہی غلبہ اور قبضہ کا دعویٰ ظاہر ہوا اور یہی سبب منازعت کا پیدا ہوا۔ اور پھر تمام اثبات و ابطال اسی طرف متوجہ اور تمام بحث و جدال اسی میں متحقق ہوا۔

الغرض اس منازعت میں یہی معروف سبب پیش نظر ہے نہ کہ وہ سبب خفی۔ اس لئے کہ ہر دور و نزدیک اور اجنبی و قریب کی زبان پر یہی ظاہری سبب جاری ہے نہ کہ اس مخفی سبب کا ذکر۔ پس تمام خاص و عام یہی کہتے ہیں کہ زید اپنے باپ کے ترکہ کی طلب میں عمر سے منازعت کرتا ہے نہ یہ کہ اس کے سب و شتم سے اس کے ساتھ برسر پیکار ہے۔ جو کوئی زید کو الزام دینا چاہے اسی وجہ سے دے گا کہ تیرے باپ کا متروکہ عمر کے ہاتھ میں نہیں تو کیوں اس سے جھگڑا کرتا ہے۔ یہ نہیں کہے گا کہ اس نے تجھے گالیاں نہیں دیں تم اس کی مخالفت نہ کرو۔ اور ایسا ہی اگر کوئی عمر کو الزام دے گا تو اسی وجہ سے دے گا کہ تو زید کے باپ کا ترکہ کیوں اسے نہیں دیتا۔ یہ نہ کہے گا کہ تو اسے گالیاں کیوں دیتا ہے۔ اور ایسا ہی تمام آدمیوں کے درمیان یہی ذکر جاری ہو گا کہ کس قدر ظالم ہے کہ زید کے باپ کا ترکہ اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہوا ہے۔ یہ نہ ہو گا کہ کیسا بد زبان ہے جو زید کو گالیاں دیتا ہے اور اسی طرح ممکن ہے کہ زید کے ساتھ رفاقت کا سبب حصول مال کا طمع یا خوفِ ملال ہو لیکن خاص و عوام میں یہی مشہور ہو گا کہ بکر نے قرابت کی وجہ

سے زید کے ساتھ رفاقت اختیار کی ہے۔ بلکہ بکر بھی یہی وجہ ظاہر کرے گا کہ میں کس طرح اس سے رفاقت نہ کروں جب کہ وہ میرا قرابت دار ہے۔

جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو سمجھ لو کہ اس مقام میں ظاہری اسباب اور وجوہ سے کلام ہے۔ حقیقہ اسباب اور وجوہ سے غرض نہیں۔ یعنی صاحبِ دعویٰ کی امتیاز اس کے غیر سے انہیں اسباب منازعت اور وجوہ رفاقت کے ساتھ ہوتی ہے۔ حقیقت الامر میں اس کی نیت خواہ کیسی ہو۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جو لوگ اہل ریاست و سیاست سے منازعت کرتے اور کسی قوم سے رفاقت ڈھونڈتے ہیں تو ضرور منازعت اور رفاقت کے لئے کوئی سبب یا وجوہ ظاہر کرتے ہیں۔ پس وہ اسباب و وجوہ یا تو مقدمات دنیویہ کے جنس سے ہونگے۔ جس کا بیان یوں ہے کہ دنیوی اسباب و وجوہ مملکت موروثہ کے طلب کرنے کی مانند ہے جو سلاطین اسلاف کے شہزادوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ جن کے خاندان سے ان کی مملکت گم ہو کر دوسروں کے ہاتھ جا پڑی ہو تو ایک مدت گزرنے کے بعد بلند ہمت شاہزادے سر اٹھاتے ہیں اور اپنی موروثہ مملکت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ گویا منازعت کے برپا ہونے کا سبب اس سلطان زمان کا ان شہزادوں کی اسلاف کی مملکت پر غلبہ ہے۔ اس بناء پر وہ شہزادے اپنے اسلاف کی مملکت طلب کرنے کے لئے اٹھتے اور اپنے حقِ قدیم کو پایہ ثبوت تک پہنچاتے ہیں۔ اسی سبب سے تمام جہاں میں تمام بنی آدم کی زبان پر مشہور ہو جاتا ہے کہ فلاں شہزادہ اپنے اسلاف کی مملکت لینے کے لئے اٹھا اور اپنے حق کو غالب سلاطین سے طلب کیا۔ اور وہ شہزادہ جن کو اپنا رفیق بناتا ہے انہیں کئی طرح کی وجوہ سمجھاتا ہے۔ بعض کو اپنے خاندان کے بھی خواہوں سے بتاتا ہے اور بعض کو مناصبِ جلیلہ و اموال کثیرہ سے بہت فائدہ حاصل کرنے کی آمیندلاتا ہے بعض کو نوکری کے علاقہ سے پکڑتا ہے اور اس سے محض یہی ظاہری خدمت قبول کرتا ہے اور ان کو



نمک حلالی کے منافع اور نمک حسرامی کے ضرر سمجھا جاتا ہے اور انہی باتوں کو ان کے ذہنوں میں پایہ ثبوت تک پہنچاتا ہے۔ ایسی ہی وجوہات وغیرہ ان کی رفاقت کا باعث ہو جاتی ہیں۔ اور یہی ہر خاص و عام میں مشہور ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہر شخص یہی کہتا ہے کہ یہی خواہانِ قدیمی، دولت جو بیان ابدی، نوکرانِ خدمت گزار اور ملازمانِ شجاعت شعار کا لشکر اس کے ہمراہ جمع ہوگا۔ جو کوئی جاتا ہے ظاہر کرتا ہے کہ میں قدیمی خانہ زاد اور طالبِ ملازمت ہوں۔ اور جو کوئی اس کی رفاقت اختیار نہیں کرتا وہ یہی غدار پیش کرتا ہے کہ میں نہ تو فدویانِ قدیمی سے ہوں اور نہ ہی طالبِ ملازمت۔ مجھے اس کی رفاقت اختیار کرنے میں کوئی امر مثلاً ظالم کے ظلم یا فاسد کے فساد رفع کرنے کا سبب کوئی نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ شاہانِ اولوالعزم سے کوئی لشکر کشی کر کے کسی قوم پر پہنچاتا کہ ان کے شہروں اور علاقوں کو اپنی حکومت میں لائے اور انہیں اپنی رعایا سے شمار کرے اور ان سے مال و منال حاصل کرے اور ان پر اپنی سیاست جاری کرے۔ تو اس کے فساد کو دور کرنے کے لئے اس قوم کے رئیس جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ منازعت کرتے اور دوسری قوموں سے مدد طلب کرتے اور رفاقت پیدا کرتے ہیں۔ پس اس کے ساتھ ان کی منازعت کا سبب اس کی تعدی کا دفع کرنا اور دوسری قوموں سے رفاقت کی وجہ قرابت اور اس علاقہ کی برادری ظاہر کی جاتی ہے اور اس کو رفاقت کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ اور کبھی معاوضہ و مبادلہ ہوتا ہے کہ ہم نے بھی ایسے وقت میں تمہاری اعانت کی تھی اور اسی سابقہ اعانت و رفاقت کے عوض اب ان سے اعانت و رفاقت چاہتے ہیں یا اس رفاقت کی وجہ فساد کا دروازہ بند کرنا ہوتا ہے کہ اگرچہ اب اس قوم کو جس سے رفاقت چاہتے ہیں، اس ظالم متعدی کے ہاتھوں کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ لیکن یہ قوم اس قوم کو اول یہ بات سمجھاتی ہے کہ جیسا کہ آج ہمارے سر پر انہوں نے چڑھائی کی

ہے اسی طرح کل تم پر چڑھائی کر دیں گے۔ اور جو تکلیف آج ہمارے سر پر لائی گئی ہے کل تم پر بھی لائیں گے۔ پس بہتر یہی ہے کہ ہم اور تم مل کر پہلے ہی اس فتنہ کا دروازہ بند کر دیں اور اس کو اس تعادی اور زیادتی کی سزا دیں۔

الغرض اس قسم کے اسباب و وجوہ جمعیت عساکر صغیر و کبیر کے فراہم کرنے کے لئے مہیا کرتے ہیں اور ہر شخص خواہ اس کے دل میں اور ہی اسباب و وجوہ مخفی ہوں۔ لیکن انہی کو بیان کرتا ہے مثلاً اگرچہ اس کے دل میں طمع مال یا کینہ دیرینہ کا اظہار یا حسد وغیرہ ہو۔

ہاں دینی اسباب و وجوہ ان کی تفصیل یوں ہے:-

ایک شخص کفار سے منازعت کے لئے اٹھا اور تمام مسلمانوں سے رفاقت چاہی اور مخالفت کا یہی سبب دینی مخالفت ظاہر کی اور رفاقت کی وجہ بھی یہی دینی موافقت بیان فرمائی۔ یہی بات تمام جہان میں مشہور اور بنی آدم کی زبان پر جاری ہوئی کہ فلاں شخص تصرف دین کے لئے اٹھا اور کفار سے جنگ کرنا چاہتا ہے اور اعلائے کلمہ اسلام کے لئے ان سے منازعت کرتا ہے۔ پس تمام اہل اسلام نے باوجود اختلاف اقوام کے مدعائے حمیت دین اور اظہار غیرت شرع متین کے لئے اس کی رفاقت اختیار کی اور اس کی مدد کرنا فرض عین سمجھا۔ اور وہ جس کسی کو بلاتا ہے اسی وجہ سے بلاتا ہے کہ میں مسلم ہوں اعلائے کلمہ اسلام کے لئے کوشاں ہوں۔ تم بھی اسلام کا دعویٰ رکھتے ہو۔ اس سعادت میں شریک ہو جاؤ۔ اور جو کوئی اس حلقہ میں داخل ہوتا ہے زبان سے یہی ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اہل دین فلاں شخص کی رفاقت سے جمع ہو کر کفار پر چڑھے۔ اس لئے ہم بھی خدمت دین کی بناء پر اس سے شریک ہوتے اور دور و نزدیک کا سفر طے کرتے ہیں۔ اور جو کوئی اپنی مجلسوں اور محفلوں میں اس بات کا ذکر کرتا ہے۔ یہی کہتا ہے کہ فلاں مقام پر فلاں شخص کے ہمراہ کفار کی بیخ کنی کے لئے مسلمان جمع ہوئے اور ان کی

جمیعت اس قدر ہے۔

پس جس وقت دین کا ذکر اور خدمت، مخالفت و موافقت کے ذریعہ کسی سے ظاہر ہو تو اس باب میں یہی صاحبِ دعوت ہے اور بحکم رب العزت واجب الاتباع ہے۔ نیت کی تفتیش بحکم سنت ممنوع اور اس کا ظاہری دعویٰ ظاہر شرع میں قبول ہے۔

(۲) طریقہ نظم و نسق | اس کی بہت قسمیں ہیں۔ مثلاً تحصیل اموال، تعزیر، افعال، جھگڑوں کے فیصلے، اور حاجت مندوں کی داد رسی وغیرہ۔ اور صاحب دعوت ان تمام اقسام میں تمام ارباب سیاست کی نسبت اتلیا ز رکھتا ہے اور اس مقام کی تیغ بھی ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے جس کی تفصیل یوں ہے:

کوئی آدمی ریاست کے بارہ میں دانا و ہیشیار اور مقدمات سیاست میں عاقل و تجربہ کار ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ نظم و نسق کے اقسام میں خاص قاعدہ اور احقاق حق کے مقدمات میں ایسا قانون رکھے گا کہ جس وقت قبل و قال کی کلام اور اثبات و ابطال کی بحث اس قانون پر پہنچے تو چار و ناچار طرفین کی گفتگو اس پر منقطع اور فیصل ہو۔ اور پھر کسی کو اس پر مجال بحث و جدال نہ رہے۔ جو کوئی حیلے کرتا اور حق کو باطل کے ساتھ ملاتا ہے اس کا منتہائے مساعی یہی ہوتا ہے کہ فریب آمیز گفتگو اس طرح پیش کرے کہ مذکورہ قانون مرتبہ ظہور تک نہ پہنچے۔ لیکن جس وقت مذکورہ قانون مرتبہ ثبوت کو پہنچ گیا تو تمام سخن سازی اور حیلہ بازی منقطع ہو جاتی ہے۔ مثلاً زید نے عمرو پر ایک صد روپے کا دعویٰ کیا اور عمرو اس کے ساتھ رو و انکار کی وجوہ پیش کرتا ہے۔ پس قبول و اقرار یا رو و انکار کا وقت تب تک ہے جب تک کہ خریداری یا روپیہ دینے کا معاملہ ثابت نہ ہو جائے اور اس کا ثبوت بین نہ مل سکے۔ یہ تمام چرب زبانی اور خوش بیانی

اسی لئے ہے کہ معاملہ مذکور پایہ ثبوت کو نہ پہنچے۔ لیکن معاملہ مذکورہ کے ثبوت کے بعد کسی کو یہ بات کہنے کی مجال نہیں کہ ”گو میں نے خریداری کا معاملہ کیا ہے لیکن خریدی ہوئی چیز کی قیمت میرے ذمہ نہیں ہے۔ یا مبلغات مذکور میں نے بطور قرض لئے تھے لیکن ان کا ادا کرنا مجھ پر واجب نہیں۔ یعنی میں اس قانون کو تسلیم نہیں کرتا کہ بیع کی قیمت واجب الادا یا قرضہ کا ادا کرنا واجب الایفاء ہے۔“ جس کسی سے ایسا کلام صادر ہو اسکو بے اعتبار یا گل یا ظالم سمجھا جاتا ہے۔ ہرگز اس کے کلام کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ اور کسی عاقل و جاہل کے نزدیک اس کی یہ بات مقبول نہیں۔ اگر حاکم وقت بھی طمع مال کی بنا پر یا قرابت و دوستداری کی پاسداری کے خیال سے عمرو کے قول کی تائید کرے گا تو اسی بات میں اس کی حمایت کر سکے گا کہ معاملہ مذکورہ اگر فی الواقعہ ہوا ہوگا۔ لیکن مرتبہ ثبوت تک نہیں پہنچتا اور اہل محکمہ پر اس کا وقوع ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن اس معاملہ کے پایہ ثبوت کو پہنچنے کے بعد حاکم وقت کو بھی اس کی تائید اور پاسداری کی مجال نہیں رہتی۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ رعایا میں سے کوئی شخص معاملہ مذکور کو ثابت کر کے خود حاکم کو ملزم قرار دے کر اسے خاموش کر دے۔ الغرض قانون مذکور کے قبول کرنے میں رعایا بھی اور حاکم وقت بھی مجبور ہوتے ہیں۔ ہاں اس کے ثبوت میں حیلے کرنا اور حق کو باطل سے ملانا علیحدہ بات ہے۔

جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو جانتا چاہئے کہ ہر قوم کے پاس نظم و نسق کے ابواب میں مسلم الثبوت آئین اور واجب الازعان قوانین ہوتے ہیں کہ انہی قوانین و آئین کے احاطہ میں مکاران سخن ساز کی حیلہ بازی اور حکام ہوا پرست کی جانبداری چلتی پھرتی ہے۔ لیکن اس آئین کو خراب نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی ان قوانین کو جرطے سے اکھاڑ سکتے ہیں۔ اور کبھی اس کے احاطہ سے قدیم باہر نہیں رکھ سکتے۔ جو راستہ اس کے مخالف ہو صراحتہً اس کی طرف نہیں جاتے اور اس قانون کے ثبوت کا ان کے

نزدیک بھی ایک مسلم طریقہ ہوتا ہے۔ مثلاً معاملہ دینداری کے ثبوت کے لئے اہل اسلام کے نزدیک یا گواہ ہوتے ہیں یا اقرار یا سند کتاب اللہ اور سنت نبوی یا اقوال مجتہدین سے ہوتی ہے۔ پس قوانین نظم و نسق کی اعانت میں یہ تینوں امر لازم ہوئے :-

۱۔ اول۔ قانون مسلم۔

۲۔ دوم۔ اس کے ثبوت کے طریقے۔

۳۔ سوم۔ اس کی سند۔

اور تینوں امور اقوام اور ادیان کے اختلاف کے سبب مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی قوم قانون بناتی ہے اور اس کے ثبوت کے لئے ایک طریقہ مقرر کرتی ہے اور اس کی سند کسی بادشاہ سلف سے پیش کرتی ہے۔ اور اسی بادشاہ کے قانون کو واجب العمل سمجھتی ہے۔ اور کوئی قوم قانون بناتی ہے تو اس کے لئے دوسرا ہی طریقہ اختیار کرتی ہے اور اس کی سند ہوشیار واناؤں اور تجربہ کار عقلموں کے کلام سے پیش کرتی ہے اور انہی احکام عقلیہ کو واجب الاتباع سمجھتی ہے۔ یعنی اگر عقل کہے کہ کارخانہ سلطنت کے بندوبست اور نظم و نسق میں فلاں قانون پر عملدرآمد مفید ہے۔ تو ان کے نزدیک وہی قانون واجب الرعاۃ اور وہی آئین واجب الحفظات ہے۔ پس ہر ایک قانون کے لئے سند ان کے نزدیک یہی ہے کہ اس کے فوائد و منافع عیاں کریں۔

مگر ایک دوسری قوم کسی اور قانون کا اتباع کرتی ہے۔ اور اس کے ثبوت کے لئے ایک اور طریقہ پیش نظر رکھتی ہے۔ اور اس کی سند ملت مصطفوی اور سنت نبوی سے پیش کر کے انہی احکام ربانی اور آئین ایمانی کو واجب الاتباع سمجھتی ہے۔ اور اگرچہ نئے قوانین کا مرتب کرنا عقل بشری کے نزدیک نافع و مفید ہو، لیکن ان کے نزدیک

بدعاتِ مردودہ، اور مقررہ طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ کا اجرا اختراعاً  
 مطرودہ سے ہے۔ صرف عقلی باتیں ان کے نزدیک نامسموع اور سلاطین  
 اسلاف میں سے کسی کا اتباع ان کے سامنے نامشروع ہوتا ہے۔  
 پس ان کے نزدیک سند صرف "شریعت" ہی ہے اور بس۔ اور ان  
 کا دعویٰ بھی ہمیشہ یہی ہے کہ نظم و نسق کے ابواب میں قوانین ربانی  
 کا اتباع اور آئین ایمانی کی ہی پیروی کرنی چاہئے۔ ہاں ان میں سے  
 اگر کوئی ہوا پرست ہے تو اسی دائرہ کے اندر ہوا پرستی کرے گا۔  
 اور انہی قوانین کے دائرہ میں سخن سازی اور حیلہ بازی ظاہر کریگا۔  
 اور اُسے اپنا ہنر و کمال سمجھے گا اور کہیگا کہ میں نے فلاں کو فقہی قواعد  
 کی رو سے ملزم بنایا، اور اپنے دعویٰ کو شواہد شرعیہ کی رو سے  
 پایہ ثبوت کو پہنچایا۔ یہ نہ کہے گا کہ میں نے ان قواعد اور شواہد کو اپنی  
 جرب زبانی سے باطل کیا اور بحث و جدال کے اشکالات اس پر عائد کئے  
 کیونکہ اس کا یہ کہنا لوگوں کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہے۔ اور یہ  
 کلام اگرچہ بظاہر دلائل عقلیہ سے مدلل ہو، لیکن ان کے نزدیک ہرگز  
 خاطر نشیں نہیں ہو سکتا۔

پس جو صاحب ریاست و سیاست نظم و نسق میں قوانین ربانی اور  
 آئین ایمانی سے موصوف اور تمام اہل زماں میں اس طرح معروف ہو۔ اس  
 کی رعایا سے ہر کس و نا کس خود بخود جانتا ہے کہ جس وقت ہم اپنے مقدمہ کو  
 قواعد فقہیہ اور شواہد شرعیہ پر منطبق کریں گے۔ اور اپنے دعویٰ کو انہو  
 دلائل کے ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچائیں گے تو محکمہ عدالت میں ہرگز مغلوب  
 نہ ہونگے اور اپنے مخالف کو اس کی رو سے ملزم بنائیں گے اگر حاکم وقت بھی  
 اس کی پاسداری کرے گا تو اسے بھی ساکت کر دیں گے۔ پس وہی صاحب  
 دعوتِ نظم و نسق کے باب میں واجب الطاعت ہے۔ جو کوئی ہر دو باب یعنی

صلح و جنگ اور نظم و نسق میں صاحبِ دعوت ہوگا پس وہی واجبِ الاعانت و لازمِ الاطاعت امام ہے۔ جہاد میں اس کی رفاقت ترک کرنی اور ریاست و سیاست کے احکام میں اس کی اطاعت چھوڑنی ہرگز جائز نہیں۔ اس کی نیت کے فساد کا بیان اور اس کی اخلاقی و اعمالی برائیوں کا ذکر نامسموع ہے۔ اس کی رفاقت اور اطاعت عین عبادتِ رب العزت اور اعانتِ دین سید الانام ہے اور اس پر خرف اور اس کی بغاوت شرعاً حرام اور دینِ اسلام کی بدخواہی ہے۔ پس لفظ "امام" سے یہی صاحبِ دعوت مراد ہے۔ اور آئندہ بحث میں لفظ امام کے اس معنی کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

## تنبیہ ثانی

### اصحابِ دعوت کا حکم

اس بیان میں کہ اربابِ حکومت سے کون کون اصحابِ دعوت میں داخل ہو سکتا ہے اور کون کون اس سے خارج ہے۔

جاننا چاہئے کہ افضل و اکمل افراد سے مفہوم خلیفہ ارشد ہے۔ بلکہ یہی صاحبِ دعوت حق و مقبول مطلق ہے۔ اور اس کے بعد سلطان عادل ہے خواہ ناقص ہو خواہ کامل۔ اور سلاطین مضلین اور شاہانِ ملحدین ہرگز ان افراد میں سے نہیں ہیں۔ زباً سلطان جابر، تو اسکی تفصیل یوں ہے کہ سلطان جابر کی چند قسمیں ہیں۔

پہلی قسم طفل مزاج و سفید طبع ہے جو قوانینِ شرعیہ یا نقلیہ سے کسی قانون کا اتباع نہیں کرتا۔ اور کسی آئینِ ربانی یا سلطانی کا اقتدار کچھ نہیں سمجھتا۔ بلکہ دیوانہ وار شتر بے مہار کی طرح محض اپنے خیال کے تابع ہوتا ہے۔ جو کچھ اس کے خیال میں گزرتا ہے اسی بات کو اپنے مقاصد میں سے خیال کرتا ہے۔

نہ اقامتِ سنت سے اس کو غرض ہوتی ہے اور نہ اشاعتِ بدعت سے۔  
 دوسری قسم فاسق مجاہد کی ہے جو عیاشی کے دقائق کی وجوہات میں  
 رعایتِ شرع و عرف سے دست بردار ہو کر ہمت صرف کرے اور اس فن  
 کے ماہروں کو اپنی بارگاہ کا مقرب بنائے اور منہیات و اسبابِ ملامتی کو  
 کمال تک پہنچائے اور اب لہو و لعب و نشاط و طرب کو ہر طرف سے جمع  
 کرے اور اس فن کی تکمیل و تنظیم کو اپنے کمالات سے سمجھے۔ پس اس کی سلطنت  
 کا قیام باعثِ شیوعِ فواحش و سببِ ظہورِ قبائح ہے۔ وہ زبانِ حال سے  
 فسق و فجور کا داعی ہے اگرچہ زبانِ حال سے ان قبائح کا داعی نہیں۔ لیکن  
 انہی اقسام مذکورہ کو ظلم و تعدی و تجبر و تکبر کے باب سے قیاس کرنا چاہئے۔  
 تیسری قسم ان میں سے سلطانِ شرمگین کی ہے جو اگرچہ غیر مشروع  
 کاموں کو عمل میں لاتا ہے لیکن انہیں قبائح و فضائح کی جنس سے سمجھتا  
 ہے اور عیوب کی مانند انہیں چھپاتا ہے۔ اور ان کے چھپانے میں دل و  
 جان سے کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ لہو و لعب اور نشاط و طرب کی مجلس  
 آراستہ کرتا اور شراب پینے اور طنبور بجانے کا شغل رکھتا ہے۔ لیکن یاران  
 مجالس اور بیگانوں اور معاشرانِ موانس سے اس محفل کو خلوت میں گرم  
 کرتا ہے اور اس امر کی شہرت سے شرم کرتا ہے۔ اور اگر اتفاقاً کوئی ان  
 قبائح کی طرف منسوب کرے تو ہر صورت حیلہ بازی اور سخن سازی سے اسے  
 دفع کرتا ہے۔ اسی طرح اگر اتفاقاً طمع مال کے سبب یا طیش و غضب سے  
 کسی شخص کی نسبت کوئی ظلم و جور اس سے صادر ہو جائے اور اس کی جان  
 یا مال کو نقصان پہنچ جائے اور کوئی اسے اس بات سے سرزنش کرے اور اس  
 برائی کے صادر ہونے پر اسے عتاب فرمائے۔ تو وہ سلطانِ شرمگین اس بات  
 کی مناسبت کو اپنے سے دفع کرتا اور کہتا ہے کہ یہ بات فلاں شخص سے ہوئی  
 ہے نہ کہ مجھ سے اور وہ فلاں امیر کبیر ہے اور اس پر میرا ہاتھ اس طریقہ سے



نہیں چلتا کہ اس سے باز پرس کروں۔ ہاں کسی تدبیر سے آہستہ آہستہ اس سے انتقام لوں گا۔ اور اس ظلم و تعدی کا بدلہ اسے چکھا دوں گا۔ اور اس تعدی و ظلم کے جرم کا اور اس کے بدلہ کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس مظلوم کو راضی کر لوں گا۔ اور اس کا مال دیدوں گا۔

اور ایسے ہی رسومِ تجبر و تکبر کے اظہار میں حیلہ شرعیہ لاتا ہے۔ مثلاً اپنے لئے کوئی مسند مقرر کرتا ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ کوئی اور اس پر نہ بیٹھے۔ بلکہ اس پر کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ لیکن اپنے کو اہل و ساوس سے ظاہر کرتا ہے۔ اور اسی حیلہ سے تجبر و تکبر کی رسم ادا کرتا ہے۔ اور ظاہراً اس معنی کا اظہار یوں کرتا ہے۔ کہ طہارت و نجاست میں مجھے بہت وسوسہ رہتا ہے اور اس بات کو میں احتیاط و تقویٰ سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی اسے ہاتھ لگائے تو میرے زعم میں وہ نجس کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے میں اس بات سے راضی نہیں کہ کوئی اس کے نزدیک بیٹھے یا اسے ہاتھ لگائے۔ لیکن وہ در پردہ ہوائے نفسانی اور اقتدائے وساوسِ شیطانی کی بنا پر ایسے حیلے کرتا ہے۔ مگر چرب زبانی سے اپنے آپ کو ان قبائح سے مُتہم نہیں ہونے دیتا۔ پس اس قسم کے جابر سلاطین اگر صلح و جنگ اور نظم و نسق کے بارہ میں صاحبِ دعوت ہوں تو مفہومِ امام میں داخل ہیں۔ لیکن سابقہ اقسام ہرگز افرادِ صاحبِ دعوت میں شامل نہیں ہیں۔ امام کے احکام جو آئندہ بحث میں ذکر کئے جائیں گے وہ سب اس سلطانِ باحیا کی طرف منسوب ہیں۔ مدہوش، غافل، فریفتہ، لا یعقل، فاسق، سفاک، ظالم، متجبر عنید اور متکبر مردود کی طرف نسبت نہیں رکھتے۔ اور اس مقام میں چند لطیفے ہیں جو چند نکات کے ضمن میں بیان کئے جاتے ہیں:-

## نکتہ اول

جاننا چاہئے کہ سلطان عادل کے لئے گویہ بات ضروری نہیں، کہ صلح و جنگ کے بارہ میں صاحب دعوت ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کفار شرار یا مبتدعین بد کردار کے ساتھ قتل و غارت کا معرکہ برپا کرے اور ان کا قلع قمع کرے اور ان کی مملکت کو اپنے ماتحت کرے اور ان کی سلطنت زیر و زبر کر دے۔ لیکن مخالفت دین اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کی بنا پر نہیں۔ بلکہ اپنی کشور کشائی اور فرمانروائی کے لئے۔

پس گویہ جنگ و جدال ممنوعات شرعیہ سے نہیں کہ اس کی عدالت کو مٹا دے۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ سے بھی نہیں ہے کہ اس کے سبب وہ صاحب دعوت ہو جاتا ہے۔ لیکن جبکہ اس کے اقبال کی ترقی، اسلام کی ترقی کا باعث اور اس کی شوکت کی شکست رونق اسلام کی شکست کا باعث ہے۔ کیونکہ اگر مغلوب و مقہور ہوگا تو ضرور اس کے مخالفین جو کہ اہل باطل ہیں۔ بلاد اسلام پر قبضہ پالیں گے اور ملت و امت کی خرابی کے لئے کوشاں ہونگے۔ پس اسلام اور اہل اسلام کو نقصان عظیم پہنچے گا۔ اس بناء پر اس کی اعانت بمقابلہ مخالفین جو کہ فی الحقیقت مخالف دین ہیں تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔

پس اس باب میں گو وہ صاحب دعوت نہیں لیکن صاحب دعوت کا حکم رکھتا ہے۔ یہ کلام صلح و جنگ کے باب میں ہے مگر نظم و نسق کے باب میں ہر سلطان عادل صاحب دعوت ہی ہوگا۔ ورنہ وہ عادل نہیں ہو سکتا۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ سلطان عادل نظم و نسق میں حقیقتاً صاحب دعوت ہے اور صلح و جنگ کے بارہ میں یا حقیقتہً صاحب

دعوۃ ہوگا یا حکماً۔ اس بنا پر سلطان عادل مطلقاً صاحب دعوۃ کے  
معنی میں داخل کیا گیا ہے۔

### نکتہ دوم

پہلے بیان سے واضح ہو گیا کہ سلطان جابر مطلقاً صاحب دعوت  
کے معنوں میں نہ داخل ہے اور نہ خارج۔ بلکہ اس کے بعض افراد مثلاً  
سلطان باجیا وغیرہ اس کے اقسام میں شامل ہیں۔ اور بعض مثلاً فاسق  
بے حیا، ظالم بے وفا، مدہوش لایعقل، اور متجبر جاہل اس سے خارج ہیں۔  
پس اگر ایک شخص کہے کہ سلطان جابر بھی اقسام امام سے نہیں اور اس  
کی اعانت و اطاعت واجب نہیں ہے۔

اور دوسرا کہے کہ سلطان جابر بھی اقسام امام سے ہے اور اس کی ظلم و  
تعدی سے امامت باطل نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کی اعانت و اطاعت  
تمام اہل اسلام پر واجب اور اس کے شرائد پر صبر لازم ہے۔ تو یہ دونوں  
باتیں حقیقتاً سچ ہیں۔ کیونکہ بعض افراد کا حکم تو قول اول کے موافق ہے  
اور بعض کا قول دوم کے مطابق۔

پس اس بیان سے واضح ہوگا کہ جو احادیث اس باب میں مختلف وارد  
ہوئی ہیں۔ اور ظاہراً ان میں تعارض معلوم ہوتا ہے فی الحقیقت کوئی  
تعارض نہیں رکھتیں۔ بلکہ ہر حدیث کو اس کے محل پر رکھنا چاہئے جیسا کہ  
حضرت عمر ابن الخطابؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اکرم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انہ تعیب امتی فی اخر الزمان من سلطانہم شدائد لا ینجو منها الا رجل عرف	میری امت پر زمانہ آخر میں ان کے بادشاہوں کی طرف سے سختیاں ہونگی اور ان سے وہ شخص بچ سکے گا،
---	---

جس نے اللہ تعالیٰ کا دین پہچانا۔ پھر  
زبان سے، ہاتھ سے اور دل سے جہاد  
کیا۔ پس یہ شخص وہ ہے جس کی نیکیاں  
اول ہی (درگاہ الہی میں) پہنچ گئیں۔

نیز حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آن حضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا ہوگا جبکہ میرے بعد تم اور تمہارے  
امیر مال غنیمت کے مختار ہو جائینگے  
تو میں نے عرض کیا۔ قسم ہے اس کی  
جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث  
فرمایا کہ میری تلوار میری گردن پر رکھ کر  
مار دیجئے تاکہ میں آپ سے ملوں۔ فرمایا  
کہ میں تجھ کو اس سے بہتر بات بتا دوں  
صبر کر یہاں تک کہ تو مجھ سے ملے۔

اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آن حضرت صلی  
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک بادشاہ، زمین میں اللہ کا  
سایہ ہے۔ پر مظلوم اس کی طرف جاتا  
ہے۔ جب انصاف کرتا ہے تو اس کو  
ثواب ملتا ہے اور رعیت کو شکر  
کرنا چاہئے۔ اور اگر ظلم کرتا ہے تو  
اسے گناہ ہوتا ہے اور رعیت کو صبر  
کرنا چاہئے۔

دین اللہ فجاہدا علیہ بلسانہ  
ویداعہ وقلبہ فذلک الذی  
سبقتمہ السوابق۔

کیف انتم وائمة من بعدی  
یستاثرون بھذا الفیئ قلت اما  
والذی بعثک بالحق اصنع  
سیفی علی عاتقی ثم اضر بہ  
حتی القاک قال اولادک علی  
خیر من ذالک نصبر حتی  
تلقانی۔

ان السلطان ظل اللہ  
فی الارض یاوی الیہ کل مظلوم  
من عبادة فاذا عدل کان له  
الاجر وعلی الرعیة الشکر و اذا  
جار کان علیہ الاصر وعلی الرعیة  
الصبر۔

یہاں اس بات کی تحقیق مطلوب ہے کہ سلطان جاہل کی رفاقت کا ترک، اس کی بیعت شکنی، اس پر خروج و بغاوت کرنا، یا تو اس کے جرم کی سرزنش کی بنا پر ہوتا ہے یا اس کے ظلم کے عوض یا مظلوموں کی تسکین قلب کے لئے، یا حفظِ ملت و نظم کی بنا پر کہ بدکاروں اور برائیوں کے راجح ہونے کے سبب احکامِ ملت میں فتنہ و فساد پڑا ہو۔ یا ظلم و تعدی کے باعث نظامِ امت برباد ہو گیا ہو۔ پس اول بات بدترین معاصی اور منکرات سے بغایت مراد ہے۔ اور ثانی افضل عبادات اور اکمل طاعات سے ہے۔ پس حدیث اول شوقِ ثانی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور کھلی دونو حدیثیں شوقِ اول کی طرف۔ پس شدائد سے مراد جو حدیث اول میں مذکور ہوئیں شدائدِ دینی سے ہیں۔ یعنی فواحش و قبائح کا ظہور۔ چنانچہ کلمہ "لا ینجو منہ الا رجل عرف دین اللہ" اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ جس بلا سے دین حق کی معرفت کی وجہ سے نجات پاتے ہیں وہ یہی بلائے فتنہ و دینیہ ہے نہ کہ بلائے فتنہ و نبوی۔ اور مخالفتِ سلطان وقت سے عارف کو نجات کی ضرورت ہے نہ کہ جاہل کو۔

نیز جو اس مسئلہ میں علمائے امت کے درمیان اختلاف ہے کہ امام بسبب فسق و ظلم کے اپنی امامت سے معزول ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اکثر علمائے حنفیہ کا خیال ہے کہ معزول ہو جاتا ہے۔ اور بعض علمائے شافعیہ کا خیال ہے کہ معزول نہیں ہوتا۔ اس اختلاف کو حقیقت میں اختلاف نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ ہر دو فریق کے کلام کی اس وجہ سے تطبیق کرنی چاہئے کہ جس نے اس کے معزول ہونے کا حکم لگایا تو مراد یہ ہے کہ فسق و ظلم یہاں تک ہو جائے کہ ان قبائح کی طرف حالاً و قالاً اس کی دعوت مستحق ہو۔ اور جس نے عدم معزول کا حکم لگایا تو اس کی مراد یہ ہے کہ فسق و ظلم حد و دعوت کو نہ پہنچا ہو۔

پس اس مسئلہ میں واجب القبول مسئلہ یہی ہے کہ فسق و ظلم کا اعلان امام کو معزول کر دیتا ہے یا مستحق عزل اور مطلق فسق و ظلم کا صدور بغیر اعلان و دعوت کے ہرگز اسے معزول نہیں کرتا اور نہ مستحق عزل اور اس کی دلیل کی تفصیل ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے۔

تفصیل اس کی یوں ہے کہ اللہ جل شانہ بعض احکام کا حکم فرماتا ہے اور اسے کسی دوسرے امر کا وسیلہ بنا دیتا ہے۔ یعنی ان احکام کی اقامت سے کسی غرض یا منافع کا حصول مد نظر ہوتا ہے کہ ان احکام کو اس غرض کی تحصیل اور ان منافع کی غرض کے لئے مقرر کیا۔ مثلاً عقد بیع اس واسطے شروع ہوا کہ مشتری کو تملک بیع حاصل ہو۔ یعنی اس چیز کا مالک بنے۔ اور بائع قیمت کا مالک بن جائے۔ اور عقد نکاح اس واسطے مشروع ہوا کہ جانین کو ایک دوسرے سے فائدہ حاصل ہو۔ پس اگر معاملات مذکورہ اس وجہ سے منعقد ہوں کہ غرض مقصود حاصل نہ ہو۔ تو وہ معاملہ اصل سے باطل ہے یا قریب البطلان۔ کیونکہ ہر ایک کو جانین سے اس کا نقص پہنچتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے اپنا دریا میں پڑا ہوا مال کسی کے ہاتھ فروخت کیا۔ پس اگرچہ وہ مال دریا کی تہ میں ہو اور اس کی قیمت بائع کے ملک میں، لیکن جبکہ خریدنے والے کو مال کا حصول جو بیع کے لئے شرط ہے اس صورت میں مشکل ہے تو اس بنا پر یہ بیع باطل ہوئی۔ اور ایسے ہی مسلم کا نکاح مشرکہ عورت کے ساتھ ہے کہ اگرچہ طرفین سے ایک بجائے خود لائق نکاح ہو۔ اور نکاح کے ارکان ایجاب و قبول بھی اس صورت میں واقع ہو جائیں۔ لیکن جبکہ ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنا مفقود ہو تو نکاح بھی باطل ہے۔ ایسے ہی مرد کا نامرد ہونا اور عورت کو مرض رتق یا فتق ہونا بھی باعث ابطال نکاح ہے۔

جب اس مقدمہ کی تمہید ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ نصب اور تقریر امام

سے احکام ملت کی حفاظت اور اجتماع امت کا نظام ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فقہ اکبر میں فرمایا :

مسلمانوں کے لئے امام کا قیام ضروری ہے کہ ان کے احکاموں کو اور حدوں کو جاری کرے اور ان کی ضروریات پوری کرے اور شکر تیار کرے اور ان سے صدقات لیوے اور غلبہ کرنے والوں اور رہزنوں کو روکے۔ حج اور عیدین کو قائم کرائے۔ اور جن بچوں کے ولی نہ ہوں ان کے نکاح کرادے اور غنائم کی تقسیم کرے اور دیگر ضروریات شرعیہ کو پورا کرے جن کا ہر ایک والی نہیں ہو سکتا۔

ان المسلمین لا بدّ لهم من  
امام بقیم بتنفيذ احکامهم و  
اقامة حد ودهم وصلاحهم  
وتجهيز جيوشهم و اخذ صدقاتهم  
وقهر المتغلبة والمتلمسه وقطاع  
الطريق واقامة الحج والاعیاد و  
تذريج الصغار والصغار الذین  
لا اولیاء لهم وقسمة الغنائم و  
نحو ذلك من الواجبات الشرعية  
التي لا يتولها احاد الامّة۔ انتهى

پس جس وقت سلطان جابر کافسق و ظلم یہاں تک ہو جائے کہ مذکورہ منفعت ملت کو اس کی ریاست سے نہ پہنچیں۔ بلکہ ملت و امت کو اس سے مضرت پہنچے مثلاً قبائح اور فواحش کا ظہور، دین میں سُستی، مفسدین کی افراط، جمعہ اور عیدین کا ترک بلکہ صلاۃ پنجگانہ کا ترک وغیرہ ہو تو اس صورت میں ضرور وہ اپنی امامت سے معزول ہو جائے گا یا مستحق عزل۔ اور اگر مذکورہ منفعت (دین) اس سے ظاہر ہے خواہ اپنے ذاتی معاملات میں فاسق ہو تو اس کے معزول ہونے کا کوئی حکم نہیں کیونکہ اس مقام میں امامت، سیاست میں مراد ہے نہ کہ امامت باطنہ میں کہ جس کے اقوال و افعال کا اتباع اور اس کے اخلاق و احوال کا اقتدا موجب نجات ہے اور باعث رفع درجات و سبب حصول عطیات و

نزول برکات ہے۔ مگر یہاں صرف صلح و جنگ کا بندوبست اور عدالت و سیاست کا نظم و نسق قوانین شریعت کے مطابق کافی ہے۔

### نکتہ سوم

جان لو کہ سابقہ بیان سے اتنا واضح ہو گیا کہ ثبوت امامت کا دار مدار "دعوت" ہی کے وجود پر ہے حالانکہ علمائے سلف و خلف سے کسی نے اس معنی کو شرط امامت سے شمار نہیں کیا۔ پس ضرور سامعین کو ایک قسم کا تعجب ہو گا کہ ان مشہور علماء اور جمہور فضلاء نے ایسے بلند پایہ رکن کو امامت کے ذکر کے مقام سے کیسے فرو گذاشت کر دیا اور دوسری شرطوں پر ہمت صرف کی۔

اس اجمال و اشکال کی تفصیل و شرح ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے و ہونا۔

معلوم ہو کہ جب الفاظ میں سے کوئی لفظ، مفہومات سے کسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے تو ضرور اس مفہوم کے بعض لوازم اس درجہ کو ظاہر کرتے ہیں اور بعض لوازم اس طرح سے مخفی ہوتے ہیں جو وضاحت بیان کی حاجت رکھتے ہیں۔ پس لوازم و شروط کے ذکر کے مقام میں انہی امور خفیہ کو ذکر کیا جاتا ہے تاکہ قبیل و قال، بحث و جدال اور اثبات و ابطال اس پر متوجہ ہو اور حق کی باطل سے تمیز ہو جائے۔ لیکن لوازم ظاہر کے ذکر کو اکثر مقام میں فرو گذاشت کر دیتے ہیں۔ اور اسے اس لفظ کے ضمن میں حکم مذکور سے سمجھتے ہیں۔ مثلاً جس وقت لفظ "رسول اللہ" بولتے ہیں تو اس سے ضرور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس منصب کے صاحب کو اللہ کے نزدیک مراتب و جاہت میں تمام افراد انسانی کی نسبت ایک خاص امتیاز حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں اور جس وقت اس لفظ کی



تفسیر کی جاتی ہے تو "رسول" سے مراد وہ شخص ہے جو خدا کی طرف سے تربیت  
 خلق کے لئے مبعوث ہو اور ضرور اس سے مستفید ہونا چاہئے۔ کیونکہ بارگاہ  
 رب العزت سے ایک خاص علم حاصل ہوتا ہے جو کسی دوسرے کو بلا واسطہ  
 حاصل نہیں ہوتا۔ اور جب اس کے منافع کو بیان کیا جاتا ہے کہ رسالت  
 سے مقصود اہل سعادت کی ہدایت ہے اور اہل شقاوت پر اتمام حجت۔  
 ضرور اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول صاحب تربیت کاملہ اور  
 دعوت بالغہ ہو۔ پس ایسے امور منصب رسالت کے ظاہرہ لوازم سے  
 ہیں اور اسی واسطے بحث نبوت میں بہت کم ذکر کئے جاتے ہیں۔ اور منصب  
 رسالت کے لئے خفیہ لوازمات ہیں جن کی حقیقت نظر عمیق اور فکر دقیق  
 کے استعمال سے ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ صغائر و کبائر سے ان کی عصمت  
 ملائکہ مقربین پر فضیلت اور تمام افراد انسان سے بحسب حقیقت و  
 ماہیت ان کی امتیاز۔ پس ایسے امور منصب رسالت کے خفیہ لوازم ہیں۔  
 اور اسی واسطے تمام مبحث نبوت سے ایسے مسائل علیحدہ ہیں جو اہل  
 تحقیق کی نظروں سے تعلق رکھتے ہیں۔

جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو میں کہتا ہوں کہ جس وقت نصب  
 امام کے منفعیت کا بیان ہوگا کہ

<p>مسلمانوں کے لئے امام کا قیام ہے تاکہ          لشکر تیار کرے اور ان کی ضروریات          پوری کرے۔</p>	<p>لا بد لہم من امام لتجھن          حیوشہم و سدّ ثغورہم الخ</p>
---	---

تو خود بخود اس بیان سے واضح ہو گیا کہ ان باتوں میں صاحب دعوت  
 ہی امام ہوگا۔ دوبارہ تکرار کی حاجت نہیں۔ برخلاف تمام شرائط کے  
 اس کی مثال یوں ہے کہ شروط قاضی کے بیان میں اس کے علم و دیانت  
 کا ذکر ہوتا ہے نہ یہ کہ اس منصب کے لوازم سے ہے کہ اپنی ہمت کو مفادات

کے فیصلوں میں مشغول کرے اور اسے اپنے اہم مقاصد سے سمجھے کیونکہ یہ اس منصب کے تصور کے لوازم ظاہر یہ سے ہے۔ اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ اور ایسے ہی اوصافِ امامِ صلوٰۃ کے بیان میں علم و قرآن اور تقویٰ کا ذکر ہوتا ہے نہ یہ کہ اس کے لوازم سے ہے کہ اپنی ہمت کو لوازمِ صلوٰۃ میں صرف کرے اور اسے اپنے فرائض سے سمجھے۔ اور ایسے ہی مؤذن کے اوصاف کے بیان میں طہارت، قبلہ رو ہونا اور وقت کی پہچان ہوگی اس بات کا خیال نہ ہوگا کہ گنگ نہ ہو، اس کے حلق میں بلغم کا سُددہ اس طرح نہ بیٹھا ہو کہ اس کی آواز نہ نکلے۔ کیونکہ یہ بات منفعوتِ اذان کے لوازم سے ہے۔ اور ایسے ہی دعوت کا وجود، منفعوتِ امامت کے لوازمات سے ہے۔

امامت کی حقیقت کا بیان اور اس کے اقسام کا ذکر اس رسالہ میں رب الارباب کی تائید سے یہاں تک ظاہر ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب احکام آئندہ ابواب میں بالوضاحت مذکور ہوں گے۔  
واللہ یرحمہدی الی سبیل قنعم المولیٰ ولنعلم الوکیل۔

اے افسوس کہ حضرت شہید اس مشارکہ الیہ مضمون کو پورا نہ کر سکے اور جہاد کی فرضیت اُولیٰ کی تکمیل میں جامِ جہاد توش فرما گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

گیلانی الیٹریک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام حکیم محمد حسن پور پشاور پبلشرز چیکر مونس پورہ لاہور میں شایع ہوا





# خُدائے قدُّوس کا وہ قانون

جو اُس نے اپنے بندوں کی فلاح دارین کیلئے

پسند فرمایا

اُس کے متعلق

پاکستان کے عوام اور حکومت کے لئے

## یہ کتاب

پوری راہنما اور اساسی فارمولہ ثابت ہوگی



علوی۔ مومن پورہ راوی روت۔ لاہور





# خُدائے قدُّوس کا وہ قانون

جو اُس نے اپنے بندوں کی فلاح دارین کیلئے

پسند فرمایا

اُس کے متعلق

پاکستان کے عوام اور حکومت کے لئے

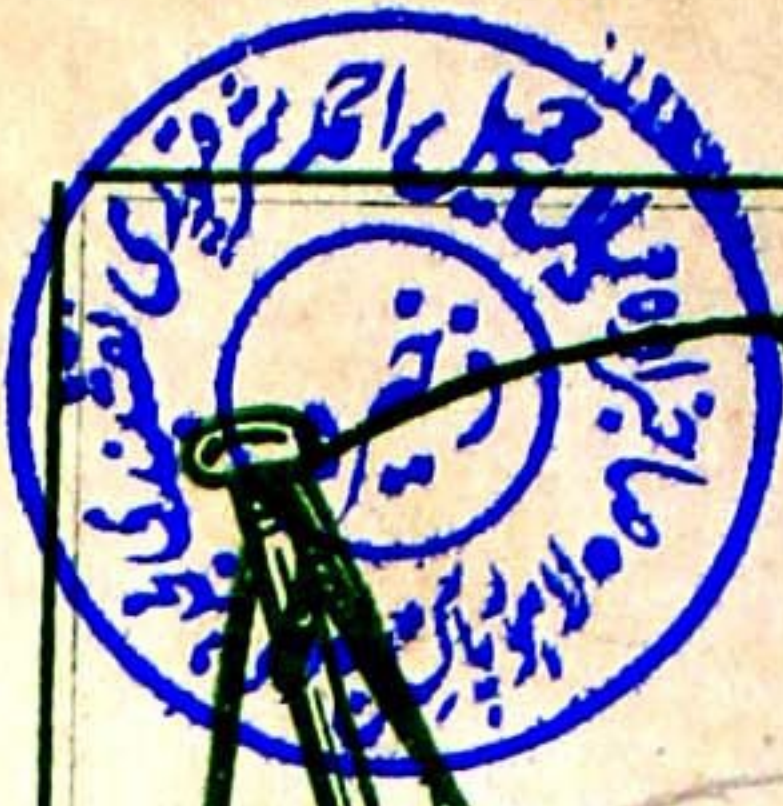
## یہ کتاب

پوری راہنما اور اساسی فارمولہ ثابت ہوگی



علوی۔ مومن پورہ راوی روت۔ لاہور





1860



سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا  
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیائی کی "امامت" کا

# ۷۶ منتصب امامت

اسلامی سلطنت کا دستور العمل

محمد امجد علی شہید  
مدد امین

